اکبر کا ہندوستان

مونسیراٹ

ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی

نام کتاب = اکبر کا ہندوستان
مصنف = مونسیراٹ
مترجم = ڈاکٹر مبارک علی
پبلشرز = فکشن ہاؤس
18_ مزنگ روڈ' لاہور
فون 7249218-7237430
پروڈکشن = ظہور احمد خاں / رانا عبدالرحمان
معاون = ایم سرور
کمپوزنگ = فکشن کمپوزنگ سنٹر' لاہور
پرنٹرز = اے- این پرنٹرز' لاہور
سرورق = ریاظ
اشاعت = 1999ء
قیمت = -/100 روپے

انتساب

محمد فاروق قریشی کے نام

فہرست

پیش لفظ

فادر مونسیراٹ جس نے اپنے تین سال کے قیام کے دوران اکبر اور اس کے دربار کے حالات لکھے ہیں اس کی یہ کتاب لاطینی زبان میں تھی۔ جس کا مسودہ 1906 میں دریافت ہوا اور اس کا انگریزی ترجمہ ہے۔ ایس ہولینڈ اور بنرجی نے کیا جو کہ 1922 میں

The Commentary of father Monserrae, S.J. On his journey to the Court of Akbar

کے نام سے شائع ہوا۔ یہ اردو ترجمہ اسی انگریزی ترجمہ سے کیا گیا ہے۔

اردو ترجمہ میں کافی ایڈیٹنگ کرنی پڑی کیونکہ بحث و مباحثہ میں پادری جو زبان استعمال کرتے تھے اور دوسرے مذاہب کا جو تمسخر اڑاتے تھے اس کو اردو میں ترجمہ کرنا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ ان باتوں میں کوئی دلیل نہیں تھی کیونکہ یہ مذہبی جنونیت اور انتہا پسندی کے تحت کہی گئیں تھیں۔ اس وجہ سے ان حصوں کو اس ترجمہ سے نکال دیا گیا ہے۔

اس کی اہمیت ان مشاہدات میں ہے کہ جو مونسیراٹ نے دربار میں رہتے ہوئے کئے تھے اور اس مہم کا حال ہے کہ جو اکبر نے اپنے بھائی مرزا حکیم کے خلاف کی تھی۔ اس مہم میں کابل تک کے سفر میں وہ اکبر کے ساتھ رہا۔ اس کا یہ آنکھوں دیکھا حال' تاریخ کا ایک ماخذ ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پادریوں کا رویہ عدم رواداری کا تھا جبکہ اکبر کا نقطہ نظر رواداری پر مبنی تھا اس لئے ہمارے لئے یہ ایک اہم سوال ہے کہ جس روشن خیال دور کی ابتداء اکبر کے زمانہ میں ہوئی تھی وہ کیوں رک گیا ہے اور

کیوں معاشرے نے اس کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے؟ تاریخ میں یہ اور اس جیسے سوالات کا جواب ڈھونڈنے کی آج ہم سب کو ضرورت ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی

ستمبر 1998 لاہور

تعارف

1498ء میں واسکوڈی گاما راس امید کے راستے ہندوستان پہنچا اور اس بحری راستہ کو یورپی مہم جوؤں کے لئے کھول دیا۔ اس وقت عیسائی دنیا میں پوپ کی نہ صرف مذہبی طور پر اہمیت تھی بلکہ وہ سیاسی طور پر بھی بالاتر قوت اور طاقت کا حامل تھا اور یورپی طاقتوں کو ان کی وفاداری کے عوض دنیا کے مختلف حصوں کی تجارتی اور سیاسی مراعات دے رہا تھا۔ لہٰذا 1502 میں پوپ نے شاہ پرتگال کو حبشہ' ایران و ہندوستان کی تجارت' ان پر قبضہ کرنے اور وہاں پر جہازوں کی آمدورفت کی اجارہ داری دے دی۔ اپنی اس فیاضی کے تحت اس نے سپین کو امریکی مقبوضات عطا کر دیے۔

سترہویں صدی میں پرتگیزی پہلی یورپی قوم تھی کہ جس نے سمندری راستوں کی دریافت میں حصہ لیا اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی یہ بھی خصوصیت رہی کہ انہوں نے اپنی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے مذہب کو استعمال کیا۔

اپنے ابتدائی دور میں جب پرتگیزی ہندوستان میں آئے تو انہوں نے خود کو ساحلوں تک محدود رکھا اور بندرگاہوں پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ جلد ہی ان کو اہل ہندوستان پر اس لئے فوقیت حاصل ہو گئی کیونکہ ہندوستانی حکمرانوں کو بحری طاقت سے دلچسپی نہیں تھی اور نہ وہ ہندوستان سے باہر اپنی سلطنتوں کی وسعت کے خواہش مند تھے۔ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں ایک بڑی سلطنت کے قیام کے لئے مواقع موجود تھے اور جب وہ فتوحات میں مصروف ہوتے تو انہیں اس سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ اس لئے ہندوستان سے باہر بحری طاقت کے سہارے مقبوضات کے حصول کا خیال کسی بادشاہ و حکمران کے ذہن میں نہیں آیا۔ لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

پرتگیزی بہت جلد سمندروں پر قابض ہو گئے۔ ان کی سیاسی طاقت کو اس وقت اور تقویت ملی جب انہوں نے سلطان یوسف شاہ عادل جو کہ دکن میں عادل شاہی خاندان کا بانی تھا (1490-1686) اس سے گوا کے جزیرے کو چھین لیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

اس کے بعد سے انہوں نے ہندوستان کے معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی۔ 1537 میں انہوں نے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کو قتل کر دیا جو ان کے پاس ہمایوں سے شکست کے بعد پناہ لینے آیا تھا۔

1563 میں شاہ پرتگال کے حکم سے تمام پرتگالی مقبوضات سے غیر مسیحوں کو نکال دیا گیا۔ 1579 میں گوا میں مجوسیوں کو کوئی مذہبی حقوق حاصل نہیں تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں زبردست مذہبی تنگ نظری کا مظاہرہ کیا۔ لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانا' شہروں کو لوٹنا' قتل و غارت گری کرنا اور عام شہریوں کو پریشان کرنا' اس تاریخ کا حصہ ہے۔ چونکہ سمندروں پر ان کی اجارہ داری تھی اس لئے کوئی تجارتی جہاز ان کی مرضی کے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ حاجیوں کے جہاز پر یہ ٹیکس لگاتے تھے۔ اسی وجہ سے کچھ علماء نے یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ ان حالات میں حج فرض نہیں رہا ہے۔

اکبر کا پرتگیزی عیسائیوں سے پہلا واسطہ 73-1572 میں گجرات کی فتح کے بعد ہوا ان کی فتح کے بعد اس نے یورپی اقوام کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ 1576 میں دو مشنری اس کے دربار میں بنگال سے آئے' ان کی باتیں سن کر وہ متاثر ہوا' لیکن جب اس نے ان سے مزید مذہبی موضوعات پر گفتگو کی تو وہ اسے مطمئن نہیں کر سکے۔ 1578 میں جب مغل دربار کے پرتگیزیوں سے تعلقات خراب ہوئے تو ڈوم' انتونیوں کیبرال (Dom Antonio Cabaral) اس کے پاس فتح پور آیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے 1573 میں سورت میں مغلوں سے امن کی بات چیت کی تھی۔ اس سے بادشاہ نے گوا سے مشنریوں کو بلانے کی بات کی اور اس مقصد کے لئے اپنے دربار سے ایک شخص حاجی عبداللہ اور اس کے ساتھ ایک ترجمان کو گوا بھیجا۔ چنانچہ اس کی دعوت پر گوا سے پہلا عیسائی مشن اس کے دربار میں آیا۔ (83-1580)

یہاں پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ کیا اس مشن کو بلانے کا مقصد سیاسی تھا یا مذہبی؟

کیا اکبر اس ذریعہ سے پرتگیزیوں کے سیاسی عزائم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا جو آہستہ آہستہ ساحلی علاقوں پر اپنا اقتدار بڑھا رہے تھے اور اب گجرات کی فتح کے بعد وہ اور مغل آمنے سامنے ہو گئے تھے؟ ان کی بحری طاقت اور سمندر میں ان کی من مانی کارروائیوں سے مغل بخوبی واقف تھے۔ اس لئے کچھ مورخوں کا خیال تو یہ ہے کہ اس سے اکبر کا مقصد سیاسی تھا اور وہ یہ منصوبہ بنا رہا تھا کہ کسی طرح سے پرتگیزیوں کی طاقت کو ختم کیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس دوسرے تاریخی شواہد بھی اپنی جگہ بڑے اہم ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس عرصے کے دوران اکبر کے مذہبی خیالات میں جو تبدیلی آرہی تھی اور وہ حقیقت کی تلاش میں اس قدر سرگرداں تھا کہ ہر مذہب و عقیدے کے علماء سے بحث و مباحثہ کے بعد وہ مختلف مذاہب میں اس کو (حقیقت) ڈھونڈ رہا تھا۔ چنانچہ عیسائی مشن کی دعوت بھی اس حقیقت کی تلاش کا ایک حصہ تھی۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اس کے سیاسی و مذہبی دونوں مقاصد شامل ہوں۔

اکبر کے مذہبی خیالات کے بارے میں جدید مورخوں نے کہ جن میں احمد بشیر' اشتیاق حسین قریشی' خلیق نظامی' عرفان حبیب اور مکھن لال چودھری وغیرہ شامل ہیں سیرحاصل بحث کی ہے۔ ان مباحث نے اکبر کی شخصیت کو متنازعہ بنا دیا ہے۔ اور یہ سوال اہمیت کا حامل ہے کہ کیا اس نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا اور یا وہ آخری وقت تک مسلمان رہا؟ پاکستان میں نصاب کی کتب لکھنے والوں کا ایک طبقہ ہے کہ جنہیں تاریخ کے ماخذ اور ثانوی مواد پر مبنی ان بحثوں سے کوئی واقفیت نہیں۔ یہی حال ہمارے ان علماء اور مذہبی لوگوں کا ہے کہ جنہوں نے اکبر کے مذہبی عقائد پر لکھا ہے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں کہ جو اکبر کے خیالات کو ملحدانہ کہتے ہیں۔ اس وجہ سے راسخ العقیدہ طبقوں میں اکبر کے بارے میں اچھی رائے نہیں ہے۔ مگر ان کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ اکبر کو بالکل خارج از اسلام کر دیتے ہیں تو ان کے پاس سے اکبر جیسی شخصیت چھن جاتی ہے اس لئے وہ اس کے مذہبی خیالات کے بارے میں ایک مخمصہ میں گرفتار ہیں اور اس کا حل انہوں نے یہ نکالا ہے کہ اکبر کے پہلو بہ پہلو ایک اور شخصیت کو اس کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا جائے۔ یہ ہیں "احمد سرہندی' مجدد الف ثانی"

چنانچہ ان کو بطور ہیرو پیش کیا جاتا ہے کہ جنہوں نے اکبر کے الحاد کا تنہا مقابلہ کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ احمد سرہندی نے مغل معاشرہ کی اسلامی روح کو برقرار رکھا اس سے اکبر کے ہوتے ہوئے بھی معاشرہ اور سلطنت دونوں اسلامی رہیں۔ اس سے اکبر کی حیثیت محض ایک حکمران کی رہ جاتی ہے اور یوں سیاسی و مذہبی راہنما دو جدا جدا خاندانوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر نصاب کی کتابوں اور علماء کے مباحثوں میں موجود ہے اور اس سے پاکستان کی نئی نسل کا ذہن تشکیل پا رہا ہے۔

اکبر کے مذہبی خیالات میں کیسے اور کیوں کر تبدیلی آگئی؟ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے۔ کیونکہ جب 1575 میں اس نے فتح پور سیکری میں عبادت خانہ تعمیر کرایا تو اس وقت تک وہ سخت مذہبی تھا۔ علماء و صوفیاء کے ساتھ اس کو عقیدت تھی۔ عبادت کرتا تھا اور مذہبی امور کی پابندی سے ادائیگی کرتا تھا۔ عبادت خانہ کی تعمیر سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اب تک جو مذہبی بحث و مباحثے دربار میں ہوتے ہیں وہ اب ایک خاص عمارت اور ایک خاص ماحول میں ہوں۔ چنانچہ اپنے محل سے ملحق شیخ عبداللہ نیازی کے حجرے کی جگہ پر اس نے یہ نئی عمارت تعمیر کرائی جس میں چار سو سے پانچ سو تک لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس میں کمرے اور بالکونیاں تھیں۔ ایک ہال تھا کہ جس میں ایک پلیٹ فارم تھا جس پر اکبر بیٹھا کرتا تھا۔ مباحثوں کے لئے جمعرات کا دن مخصوص تھا مگر یہ مباحث خاص خاص موقعوں پر بھی ہوا کرتے تھے۔

جمعرات کے دن اس عمارت کو سجایا جاتا تھا پھولوں کے گلدستوں سے آراستہ کر کے عمدہ لوبان کی خوشبو سے مہکایا جاتا تھا اور ایک ایسا ماحول پیدا کیا جاتا تھا کہ جس میں پاکیزگی کا احساس ہو۔

عمارت میں ایک لائبریری بھی تھی۔ اس میں اس وقت اور اضافہ ہوا کہ جب گجرات کی فتح کے بعد اعتماد خانہ کی کتابیں بھی اس میں شامل کر دی گئیں۔ ابتداء میں مجلس میں صرف مسلمان علماء' شیوخ اور امراء کو بلایا جاتا تھا۔ شاید اکبر کا بنیادی مقصد یہ ہو کہ ان مذہبی مباحث سے وہ اپنے علم میں اضافہ کرے مگر ہوا یہ کہ علماء کے اختلافات' ان کی تنگ نظری اور تعصب نے اس کے سامنے ان کے اس کردار کو پیش کیا کہ جو اب تک جبہ و قبا میں چھپا ہوا تھا۔ مثلاً سب سے پہلے تو انہوں نے اس پر

جھگڑنا شروع کیا کہ کوئی کہاں بیٹھے گا؟ اکبر اس سے اس قدر بدظن ہوا کہ اس نے ملا عبدالقادر بدایونی، مصنف منتخب التواریخ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ جھگڑالو علماء کو عمارت سے باہر کر دے۔ اس پر بدایونی نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو سب ہی کو نکالنا پڑے گا۔

اس کے بعد ذاتی جھگڑوں کی نوبت آئی، ملا عبداللہ سلطانپوری اور شیخ عبدالنبی صدر کے درمیان ذاتی نوعیت کے جھگڑوں نے مذہبی صورت اختیار کرلی۔ جس کی وجہ سے ان کی ذاتی زندگی اور ان کے کردار کا گھٹیا پن اکبر کے سامنے آیا۔

جب قرآن کی تفسیر پر بحث ہوئی تو ہر ایک نے اپنی تاویل پیش کی۔ احادیث اور روایات پر گفتگو ہوئی تو اس قدر متضاد باتیں سامنے آئیں کہ اکبر پریشان ہوگیا۔ اگر ایک کے نزدیک کوئی چیز حلال ہے تو دوسرے کے نزدیک حرام۔ تاریخ کا مطالعہ شروع ہوا تو اس میں لاتعداد متضاد موضوعات اور شخصیتیں سامنے آئیں۔ جب اکبر کی کئی بیویوں کے بارے میں بحث ہوئی تو مسئلہ آیا کہ کیا چار سے زیادہ شادیاں جائز ہیں یا نہیں؟ اس پر علماء نے حل پیش کر دیا کہ اگر مالکی قاضی فتویٰ دے دے تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اکبر نے ایسا ہی کیا۔ فوراً ایک مالکی کو مقرر کرکے فتویٰ لیا اور پھر فوراً ہی اسے برخاست بھی کر دیا۔

ان مباحث نے اکبر کے دل میں شکوک و شبہات کو پیدا کیا۔ اس لئے اس میں اب یہ جستجو پیدا ہوئی کہ دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی جائیں اور ان کا ایک تقابلی جائزہ بھی لیا جائے۔ اس لئے اب عبادت خانہ میں ہندو، سکھ، جین، بدھ، مجوسی، سوامی اور عیسائی علماء کو بلایا گیا۔ 1580 میں جو پہلا عیسائی مشن اس کے دربار میں آیا وہ اس سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ اس مشن کا راہنما تو روڈالف اکوا ویدا تھا مگر اس کے دوسرے اراکین میں مونسیراٹ ایک اہم رکن تھا کیونکہ اس نے دربار میں اپنے قیام کے دوران اپنے مشاہدات کو قلمبند کیا۔

اکبر نے اس مشن کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ حاضری کے وقت مسلمان علماء کی طرح ان کو بھی سجدہ کرنے کی رسم سے آزادی دے دی اور تخت کے قریب ان کو جگہ دی۔ مونسیراٹ کو شہزادہ مراد کی تعلیم کے لئے منتخب کیا اور جب اکبر کابل کی مہم

پر گیا تو اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔

دربار میں جو مناظرے یا مذہبی بحث و مباحثے ہوئے ان میں قرون وسطیٰ کے ماحول کے تحت مذہبی تنگ نظری اور عدم رواداری نظر آتی ہے۔ پادریوں کو اس لحاظ سے مسلمان علماء پر فوقیت تھی کیونکہ وہ قرآن کا لاطینی ترجمہ جو کہ 1143 میں ہوا تھا اسے پڑھے ہوئے تھے۔ جبکہ مسلمان علماء بائبل کے ترجمے سے واقف نہیں تھے کیونکہ اس وقت تک بائبل بادشاہ کے کتب خانہ میں بھی نہیں تھی اور نہ ہی اس کا فارسی ترجمہ ہوا تھا۔ پادریوں نے عبرانی' یونانی اور لاطینی زبانوں کی بائبل اکبر کو پیش کی۔ اکبر نے ابوالفضل سے اس کا فارسی ترجمہ کرانے کے لئے کہا۔ مگر یہ ترجمہ 1609 میں جہانگیر کے زمانہ میں جا کر مکمل ہوا۔ 1671 میں اس کا عربی ترجمہ بھی ملنے لگا۔ اس فرق کی وجہ سے عیسائی پادری قرآن شریف کا حوالہ دیتے تھے مگر مسلمان علماء بائبل سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کے حوالے دینے سے قاصر تھے۔

یہ مشن دربار میں تین سال تک رہا' اس عرصہ میں ان کی یہ کوشش رہی کہ اکبر کو عیسائی بنا لیا جائے اس میں تو انہیں کامیابی نہیں ہو سکی مگر انہوں نے اکبر کی اجازت سے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل کر لیا اور اس کے ساتھ ہی گرجا گھروں اور اسپتالوں کے قیام کی اجازت بھی انہیں مل گئی۔

عیسائیوں کا دوسرا مشن 1591 میں آیا۔ انہوں نے شاہی محل میں ایک اسکول کھولا کہ جس میں شہزادوں اور امراء کے بیٹوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ مگر یہ مشن بھی کسی خاص کامیابی کے بغیر ایک سال میں واپس چلا گیا۔

تیسرے مشن کے لئے اکبر نے ایک بار پھر گوا کے وائسرائے سے فرمائش کی۔ یہ مشن 1595 سے 1605 تک دربار میں رہا اور اکبر کے ساتھ کشمیر و دکن بھی گیا مگر یہ مشن بھی اپنے مذہبی مقاصد کے حصول میں ناکام رہا۔

ان تینوں مشنوں نے اکبر اور مغل سلطنت کے بارے میں جو رپورٹیں گوا اور اسپین بھجیں (پرتگال اس وقت اسپین کے قبضہ میں تھا) ان میں حقیقت سے زیادہ مبالغہ آمیزی ہے۔ مثلاً انہوں نے لکھا کہ اکبر نے اپنی مملکت میں تمام مسجدیں گرانے کا حکم دے دیا' اپنی تمام بیویاں تقسیم کر کے صرف ایک بیوی اپنے لئے رکھی ہے۔ وہ عیسائی

ہونے کا خواہشمند ہے مگر سیاسی وجوہات کی بنا پر رکا ہوا ہے۔ ان میں سے کچھ نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ وہ عیسائی ہوگیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان کمزوریوں کے باوجود اگر ان کی رپورٹوں کو ہم عصر فارسی ماخذوں کی روشنی میں پڑھا جائے تو ان میں کافی دلچسپ تاریخی حقائق مل جائیں گے۔ پادریوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ انہیں ہر طرف عیسائی نظر آتے تھے۔ مثلاً مونسیراٹ مغلوں سے پہلے حکمرانوں کو عیسائی قرار دیتا ہے۔ پھر تاریخی عمارات میں انہیں کلیساؤں کی مشابہت ملتی تھی۔ مذہب کے معاملہ میں اس قدر تنگ نظر تھے کہ تمام دوسرے مذاہب و عقائد ان کی نظر میں جھوٹ و فریب تھے۔

اس تنگ نظری کی وجہ سے انہیں مشکل پیش آئی کیونکہ ہندوستان جو کہ مختلف مذاہب کا ملک رہا ہے یہاں پر یہ مذہبی تنگ نظری ناقابل برداشت تھی۔ اکبر کی آزاد خیالی بھی ان کی سمجھ سے باہر تھی کیونکہ یہ اس ماحول کے عادی نہیں تھے۔ سترہویں صدی میں یورپ اور ہندوستان کا معاشرہ اس لحاظ سے بڑا مختلف تھا۔ ہندوستان میں جو روشن خیالی تھی ابھی یورپ اس سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے اور اسے سمجھنے کی جو جستجو تھی وہ بھی اہل یورپ کے لئے اس وقت ایک نئی چیز تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اکبر کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی کوشش علماء اور عیسائی پادریوں دونوں کی جانب سے ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی اور ہے کہ دونوں اپنی مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے اکبر کے ذہن اور اس کے دور کے سماجی و سیاسی' مذہبی رجحانات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ہندوستان کے ماحول میں دوسرے مذاہب کو اپنانے اور ضم کرنے کی صلاحیت ہے اس لئے مسلمانوں کی آمد کے بعد سے یہاں ایسی تحریکیں ملتی ہیں کہ جو ان مذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتی تھیں۔ اگر یہ دونوں مذاہب جدا رہیں تو تب بھی ان میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ ہے۔ ان میں نفرت نہ ہو بلکہ رواداری کا جذبہ ہو۔ اکبر اس دور کے ان خیالات کی ایک علامت بن گیا کہ جس کے نقطہ نظر سے سچائی مجرد نہیں بلکہ ہمہ پہلو ہے۔ اس کی تلاش میں اس نے ہر مذہب و عقیدہ سے رجوع کیا اور اس کوشش میں اس نے ایک ایسا آئین بنایا کہ جس

میں انسانی رواداری ہو اور جو صلح کل پر مبنی ہو۔
اس کو ابوالفضل "آئین رہنمونی" کہتا ہے۔ بعد کے مورخین نے اس کے لئے دین الٰہی کی اصطلاح کو استعمال کیا جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ اس نے شاید کوئی نیا مذہب تشکیل دیا تھا۔ "آئین رہنمونی" کہ جس کے بارے میں ابوالفضل نے لکھا ہے وہ ایک ایسا آئین ہے کہ جس کا تعلق ہندوستانی دین سے ہے اور جس کے ذریعہ اختلافات کو مٹا کر باہمی دوستی و ملاپ کی کوشش کی گئی ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ:

> ہر شخص ایک نیا دین اپنے لئے منتخب کرکے اپنی جدید دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ ہر جماعت کے کارہائے دین جدا جدا ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ دوسرے گروہ کی مذمت و توہین میں اپنا وقت صرف کرتا ہے ... ظاہر ہے کہ کسی دین و مذہب میں کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے۔ ایک ہی دلاویز حسن ہے جو مختلف طریقے پر جلوہ آرائیاں کر رہا ہے ...
> "اگر کوئی درد آشنا قلب مجبوراً ان اسرار کو ظاہر کرتا ہے تو کم فہم سعادت پذیر افراد تو اس کو دیوانہ سمجھ کر اس کے قول پر اعتبار نہیں کرتے اور بد سرشت و نالائق اس کو کافر و ملحد کہہ کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں"
> (آئین: 73، اردو ترجمہ فدا علی غالب)

اب فرق یہ ہے کہ اکبر کو مغرب میں شاید سمجھا جاسکتا ہو مگر ہم اپنے معاشرے میں اب بھی اکبر کے دور کی سوچ اور فکر سے بہت دور ہیں اور وہ ہمارے لئے اب تک اکبر ایک متنازعہ شخصیت بنا ہوا ہے۔

انگریزی مترجم کا تعارف

1556 سے 1605 تک اکبر کا یہ عہد تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اشوک اور اکبر دو ایسے حکمران آئے جو سب میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ اگر ان دونوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو اس سے کافی دلچسپ نتائج نکلیں گے۔ اکبر کے ہاں سلطنت کی وسعت' فتوحات کی خواہش اور شان و شوکت کی آرزو نظر آتی ہے تو اشوک کے ہاں رعایا کے ساتھ پدرانہ سلوک اور معاشرہ میں روحانی اقدار کی پرورش کا جذبہ نظر آتا ہے۔ اگرچہ دونوں بادشاہوں کو مذہب سے گہری دلچسپی تھی مگر دونوں کے ہاں مذہب کا استعمال ان کے اس کردار سے جڑا ہوا ہے۔ اکبر اپنے دور کے علماء کے تعصب' تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نظریات سے تنگ آکر' مذاہب اور ان کے عقائد کے ایک ایسے تجزیہ میں مصروف ہوا کہ جہاں سے وہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اسی تلاش میں اس نے تمام مذاہب کے عقائد کو آپس میں ملا کر ایک ایسے نظریہ کی تشکیل کی کوشش کی کہ جو ہر مذہب اور عقیدے کے ماننے والے کو مطمئن کر سکے۔ اس کا یہ نیا عقیدہ یا مذہب ہندو مت' جین مت اور مجوسیت کے ملاپ سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اشوک نے بغیر کسی جھجھک اور تردد کے بدھ مت اور اس کے عقیدہ کو سچا اور صحیح تسلیم کر لیا تھا اور اس کی بنیاد پر اس نے اپنے سیاسی نظام کی تشکیل کی تھی۔ اکبر کی تمام جنگیں' تیمور کے صحیح جانشین کی حیثیت سے انتہائی خون ریز تھیں۔ اشوک کی فتح اہنسا کے اصول پر مبنی تھی۔ اکبر کی مذہبی بحثوں کا باعث اس دور کے علماء اور ان کی مذہبی جنونیت تھی۔ اشوک کا رد عمل کالنگا کی جنگ اور اس کی خون ریزی کے فوراً بعد ہوا۔ اس رد عمل کو موریہ حکومت کے ابتدائی عہد اور اس

کی ان پالیسوں کے خلاف کہا جاسکتا ہے کہ جو ارتھ شاستر کے مصنف نے تخلیق کی تھیں اور جن کے تحت سیاست اور اخلاق کو قربان کر دیا جاتا تھا۔ ان دونوں حکمرانوں میں اس قسم کی اور بہت سی باتوں کو بطور مقابلہ تلاش کیا جاسکتا ہے۔

اس سے پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ اکبر افلاطون کے فلسفی بادشاہ کی مانند ہے مگر اب جدید تحقیق نے اس نقطہ نظر کو رد کر دیا ہے۔ اب اس کی شخصیت کہ جس میں عزائم بھی ہیں' چالاکی و ہوشیاری بھی ہے تاریخی حقائق کی روشنی میں سامنے آگئی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس ماہی گیر کی طرح تھا کہ جو تالاب میں ڈور ڈالے کمزور ہمسایہ کو اس میں پھانسنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اس کے قول و فعل میں اس قدر تضاد تھا کہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنا اور سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ کیا سوچتا تھا اور کیا کرنا چاہتا تھا؟ ان دونوں کے درمیان فرق اور رشتہ کو پانا مورخوں کے لئے کافی مشکل ہے۔

اکبر اور مذاہب

اکبر کی درخواست پر گوا سے عیسائیوں کے تین مشن اس کے دربار میں بھیجے گئے۔ ان میں سے آخری دو کا ہماری اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جسے جے سوئسٹ مشنریوں کے لئے ابتداء میں اکبر ایک ایسا شخص تھا کہ جو عیسائی بننے پر تیار تھا۔ لیکن آگے چل کر اس کی شخصیت ان کے لئے ایک معمہ بن گئی اور آخر میں تو انہیں اس سے انتہائی مایوسی ہوئی۔ شروع شروع میں انہیں بڑی امیدیں تھیں کہ وہ اکبر کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کرلیں گے لیکن تمام بحث و مباحث کے بعد جو اس کے ساتھ ہوئے وہ اسے عیسائی بنانے میں ناکام ہوگئے۔ اس سلسلہ میں مشنریوں نے جو رپورٹ گوا بھیجی وہ دلچسپ ہے۔

> "بادشاہ مسلمان نہیں رہا ہے لیکن وہ تمام مذاہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ کوئی مذہب سچا الٰہی مذہب نہیں ہے کیونکہ ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہے کہ جو اس کی ذہانت اور عقل کے خلاف ہے لیکن وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اگر کوئی مذہب

اس کے ذہن کو متاثر کرتا ہے تو وہ عیسائیت ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کو تسلیم کرے کہ کوئی ایک عقیدہ دوسروں کے مقابلہ میں سچا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسے ماننے والا ہے۔ دربار میں اس کے بارے میں کئی باتیں کہی جاتی ہیں۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ وہ مشرک ہے اور سورج کی پوجا کرتا ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ عیسائی ہوگیا ہے۔ کچھ کا یہ کہنا ہے کہ وہ کوئی نیا فرقہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ عوام میں بھی بادشاہ کے بارے میں مختلف رائیں ہیں وہ نہ تو اسے عیسائی سمجھتے ہیں نہ مشرک اور نہ ہی مسلمان اور یہ بات ہی درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اگرچہ وہ ہے تو مسلمان مگر ظاہری طور پر وہ تمام دوسرے مذاہب کو بھی مانتا ہے تاکہ عوام میں اس کی مقبولیت برقرار رہے۔"

اگر غور سے دیکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ درحقیقت اکبر تقابل ادیان کا ایک طالب علم تھا جو ان مذاہب کے تقابل کے ذریعہ حقیقت کا متلاشی تھا۔ اس نے اپنے دربار میں نہ صرف عیسائی مشنریوں کو بلایا بلکہ پادریوں اور جین مت کے ماننے والوں کو بھی دعوت دی۔ فطرتاً وہ ایک ایسا شخص تھا کہ جو ہر مذہب اور فرقہ میں سچائی کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس تلاش میں وہ اپنے تخت کو بھی محفوظ رکھے۔ اس لئے حقیقت کی تلاش اپنی جگہ مگر خاندان' اقتدار اور حکومت کا استحکام اس کے لئے اس سے زیادہ اہم تھا۔ اس لئے اسے احساس تھا کہ اگر وہ عیسائی ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ رعیت میں بغاوت کی شکل میں نمودار ہوگا اور اس کی وہ عظیم الشان سلطنت کہ جو اس نے تشکیل دی ہے وہ پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اب یہ پتہ نہیں کہ اس کے اس کہنے میں کتنی سچائی ہے کہ وہ حج کے بہانہ گوا میں جا کر بپتسمہ لینے پر تیار تھا۔

دوم اکبر جو کہ مذاہب میں انتخاب کا قائل تھا اور جسے ہر مذہب میں ایسی باتیں نظر آتی تھیں کہ جو اس کی ذہانت اور عقل پرستی کے خلاف تھیں وہ کس طرح سے خود کو ایک مذہب کا پابند بنا کر اس میں خود کو اسیر کرلیتا کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے یہ ناگزیر ہو جاتا کہ وہ اپنی رعایا کو مذہب تبدیل کرنے کے لئے مجبور کرے اور ان

سے جنگ کرے۔ اس کے برعکس اس کی یہ خواہش تھی کہ ایک مذہب کی بجائے تمام مذاہب کی بنیاد پر ایک ایسا عقیدہ تشکیل دے کہ جس میں اس کی تمام رعایا خودبخود کھینچ آئے۔ کیونکہ ایسے عقیدہ کا تعلق اس کے سیاسی نظام سے گہرا ہوتا۔

سوئم۔ یہ بات پوری طرح سمجھ میں آتی ہے کہ بادشاہ ایسے مشنریوں کے ہاتھوں کس طرح سے اپنے مذہب کو تبدیل کرلیتا کہ جو انتہائی تنگ نظر' عدم رواداد اور مخدوم الملک و عبدالنبی کی طرح انتہا پسند تھے۔ اس نے یقیناً "گوا میں انکوائیزیشن کے بارے میں سنا ہوگا جو اپنے مذہب کے لوگوں کو اذیت دینے میں مشہور تھی اس کے جواب میں اگر کہا جائے کہ اکبر اس قدر سادہ لوح نہیں تھا کہ وہ انکوائیزیشن اور عیسائیت کو ایک سمجھ لیتا اور اس وجہ سے اس کے خلاف ہو جاتا تو یہ خیال بھی کوئی زیادہ صحیح نہیں ہے۔

چہارم۔ عقیدہ تثلیث اور مسیح کا دوبارہ سے ظہور میں آنا بھی اس کے تبدیلی مذہب میں رکاوٹ بنے۔ کیونکہ وہ ان دونوں عقائد کو عقل سے ماورا سمجھتا تھا۔

پنجم۔ وہ اس سچائی کے لئے کسی علامت کا بھی خواہش مند تھا جیسے کہ آگ سے زندہ سلامت ہو کر گذرنا۔ اس قسم کا ثبوت بھی اسے کوئی نہیں ملا۔ آخری بات یہ ہے کہ وہ اپنی بیگمات کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بازار کی اس افواہ پر کوئی یقین کرنے کی وجہ نہیں ہے کہ ایک وقت وہ اپنی تمام بیویوں کو اپنے امرا میں تقسیم کرنا چاہتا تھا۔

ہم نے اوپر جو وجوہات دی ہیں وہ اکبر کے تبدیلی مذہب میں رکاوٹیں ہوسکتی ہیں۔ خاص طور سے مندرجہ بالا چار دلائل کے تحت اس کا عیسائی ہونا ناممکن تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے کبھی بھی خود کو عیسائی بنانے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ عیسائی مشنری اس کے مشفقانہ رویہ سے یہ اندازہ کرنے لگے کہ وہ ان کے مذہب کے بارے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ہماری اب تک کی جو تحقیق ہے اس نے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اکبر نے ان عیسائی مشنریوں کو اس لئے بلایا تھا کہ عیسائیت کے بارے میں اس کی ذہنی تسکین ہو۔ ایسی بات کی جانب 30 اکتوبر 1916ء میں اجمیر سے لکھے ہوئے ایک خط میں انگریز سفیر ٹامس رو نے اشارہ کیا ہے کہ "اکبر شاہ فطرتاً" انصاف پسند' متجسس اور نئی باتوں اور نظریات کے متعلق جاننے کا شوقین تھا۔"

1582ء میں اس نے دین الٰہی کا جو اجراء کیا اس سے بھی اس حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کہ وہ عیسائی بننے کا خواہش مند تھا۔ اگر دیکھا جائے تو مجوسیت اور جین مت کے اثرات اس پر زیادہ گہرے نظر آتے ہیں۔ اس کے دربار میں پارسی اور جین مت کے استاد تھے۔ آگ کی تعظیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجوسی مذہب سے کس قدر متاثر تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک ملازم آگ کی حفاظت نہ کرسکا اور رات کو سو گیا تو اکبر نے غصہ میں آکر اسے محل کی فصیل سے گروا کر مروا دیا۔ اس کے دربار میں دستور مہرجی رانا کی اس قدر عزت و احترام تھا کہ جس قدر فادر اکاوی وا کا۔

اکبر اور جین مت کے استاد

اکبر کے دربار میں جو جین مت کے استاد تھے ان کے نام تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ وہ چھ یہ ہیں : ہیرادی جایا سوری' شانتی چندر' وجایا سین سوری' بھانو چندر' اپودھیایا' سدھی چندر اور جین چندر۔ 1573ء سے لے کر اس کی حکومت کے خاتمہ تک اس کے دربار میں ہمیشہ ایک یا دو جینی اساتذہ رہے۔ ان چھ اساتذہ میں سے ہیرادی جایا سوری سب سے زیادہ اہم تھا۔ اس کو دوسرے مذاہب کے علماء کے ساتھ دربار میں بلایا گیا اور ابوالفضل کو یہ خدمت سونپی گئی کہ اس مہمان کی دیکھ بھال کرے۔ اکبر اس سے دھرم کے بارے میں 1584ء تک باقاعدہ سبق لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ فتح پور سیکری سے چلا گیا۔ شانتی چندر 1507 تک دربار میں رہا۔ اس نے اکبر کے اوپر ایک تعریفی کتاب بھی لکھی۔ دوسرے اساتذہ کو دربار میں ان کے مرتبہ کے مطابق جگہ دی گئی۔ ان اساتذہ میں بھانو چندر 1605 تک رہا۔ جین چندر کے بارے میں ہمیں بہت کم معلوم ہے لیکن اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے اکبر کو جین مت قبول کروا لیا تھا۔ اگرچہ اس قسم کی تبدیلی کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن عیسائی مشنریوں کے برخلاف اس قسم کا دعویٰ کرنے میں یہ جین مت کے استاد بہرحال حق بجانب تھے۔ بدقسمتی سے ان جین استادوں نے اپنے کوئی تاثرات تحریر میں نہیں چھوڑے لیکن آدیوارا مندر پر جو کہ شترنج جاوا پہاڑی ہے (یہ کاٹھیاواڑ میں پالی تانا کے قریب ہے) اس کے ایک کتبہ میں

ہیراوی جایا سوری اور وی جایا سینا سوری کے ان کارناموں کی تفیصل ہے کہ جو انہوں نے مغل دربار میں سرانجام دیئے۔ اس کو مختصراً درج ذیل میں دیا جاتا ہے:

(1) وی جایا کو اکبر نے میوات میں اپنے پاس طلب کیا۔ اس کے کہنے پر اکبر نے سامورٹ 1639 (1582ء) میں یہ فرمان جاری کیا کہ چھ مہینے تک پوری مملکت میں کوئی جانور ذبح نہیں کیا جائے گا۔ جن لوگوں کی جائدادیں ضبط کی گئی تھیں وہ بحال کر دی جائیں گی۔ جزیہ اور دوسرے ٹیکس ختم کر دیئے جائیں گے اور قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے گا۔ قیدی پرندوں اور جانوروں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ ایک جین لائبریری قائم کی جائے گی اور بادشاہ بھیم باسار کی طرح سے جین مت کو اختیار کرلے گا۔

(2) وجایا یاسین جسے اکبر نے جودھپور میں بلایا اس کی بڑی تعظیم کی اور اس کے کہنے پر ایک فرمان جاری کیا جس میں حکم دیا گیا کہ گائے' بیل اور بھینس کو ذبح نہیں کیا جائے گا۔ نہ تو مرنے والوں کی جائیداد ضبط کی جائے اور نہ جنگ میں قیدی بنائے جائیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو حمیدہ بانو کا لڑکا ہے اور گجرات میں آیا ہوا ہے اس نے (وجایا سین) کو عزت دی۔

اکبر اور سکھ گرو

ابھی ہم نے اکبر کے جین مت کے استادوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اکبر کے حرم میں اس کی ہندو بیگمات اور اس کی ہندو اسے ہندومت کے بارے میں زیادہ خاموشی اور موثر انداز میں بتانے والی تھیں۔ بہرحال ان غیر متعلق باتوں میں جانے کی بجائے اب ہم اس کے ان تعلقات کا ذکر کریں گے کہ جو اسے سکھ گروؤں سے رہے۔ عام طور سے مورخ اس ذکر کو نظرانداز کرتے ہیں مگر خصوصیت سے اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ روادار بادشاہ کی رائے سکھوں کے بارے میں بہت اچھی تھی اور اس نے کسی بھی طرح ان کو ستانے کی کوشش نہیں کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سکھ گرو امرداس (74 - 1552) سے ملاقات کے لئے گوئندوال گیا تھا۔ وہاں اس نے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور گرو سے ایک خلعت بطور اعزاز حاصل کی۔ ایک مرتبہ برہمنوں نے کہ جن کے عقائد پر سکھ مت نے زبردست حملے کئے تھے' اکبر

سے یہ شکایت کی کہ سکھ گروؤں کی تعلیمات سے لوگ اپنے آباؤاجداد کے مذاہب سے منحرف ہو رہے ہیں اور اپنے سماجی رسم و رواج کو چھوڑ رہے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو اس کے نتیجہ میں سیاسی بغاوتیں پیدا ہو جائیں گی۔ اکبر کا ردعمل یہ تھا کہ سکھوں اور برہمنوں کے درمیان مذہبی امور پر بحث و مباحثہ ہو جائے۔ جب یہ مباحثہ ہوا تو وہ گرو کے نمائندے کی گفتگو اور دلائل سے بہت زیادہ متاثر ہوا (یہ جیٹھا تھا جو بعد میں گرو رام داس ہوا) اس نے اپنے دلائل کو ان الفاظ پر ختم کیا:

"برہمن اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دیوتا کے برابر ہیں۔ گرو اس قسم کی کوئی بات نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ وہ اس کے ایک ادنیٰ غلام ہیں۔"

لیکن ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے بادشاہ نے جیٹھا کے ذریعہ سکھ گرو امرداس کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ہردوار میں زیارت کے لئے جائے اور ساتھ میں یہ وعدہ کیا کہ وہ اس پر اور اس کے ساتھیوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگائے گا۔ شاید یہی وجہ ہو کہ اس زیارت پر ٹیکس کا بالکل خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ واقعہ 1563 کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر نے گرو سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ چتوڑ (8-1567) کی مہم میں اس کی کامیابی کے لئے دعا کرے۔ گرو امرداس کا جانشین اس کا داماد رام داس (81 - 1574) ہوا جس کی اکبر بڑی عزت کرتا تھا۔ اکبر نے اس کو ایک جاگیر عطا کی کہ جس کی حدود ہی میں امرتسر کا مشہور تالاب تعمیر کرایا گیا جو کہ اب سکھوں کا ایک متبرک مقام ہے۔ گرو رام داس کے بارے میں ایک کہانی ہے کہ جب وہ اکبر کے ساتھ لاہور میں ٹھہرا تو اکبر کے طویل قیام اور اس کے دربار کی وجہ سے کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ توقع تھی کہ جب وہاں سے دربار جائے گا تو چیزوں کی قیمتیں گر جائیں گی' مگر اس کی وجہ سے تاجروں کو نقصان ہوگا۔ لہٰذا اس موقع پر اس نے بادشاہ سے یہ درخواست کی کہ رعایا کی بہبود کے لئے وہ ان پر سے ایک سال کا ٹیکس معاف کر دے اس کی یہ درخواست قبول کرلی گئی۔ اس کا یہ مشورہ تباہی کا باعث بن سکتا تھا کیونکہ یہ (1581) کا سال تھا کہ جس میں سلطنت مالی مشکلات کا شکار تھی۔

دوسرا سکھ گرو ارجن تھا (1606 - 1581) کہ جس نے گرنتھ صاحب کی ترتیب و تدوین کی۔ اس موقع پر لوگوں نے اکبر سے شکایت کی کہ اس کتاب میں پیغمبر اسلام اور

ہندو دیوتاؤں کے بارے میں اچھے الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ گرو نے یہ سن کر بھائی بدھا اور بھائی گرو داس کو معہ گرنتھ صاحب کے اکبر کے دربار میں بھیجا۔ کتاب کے کچھ حصوں کو سننے کے بعد اکبر نے کہا کہ: میں نے سوائے خدا تعالیٰ کی محبت اور عقیدت کے اس میں نہ تو کسی کے خلاف برائی پائی اور نہ ہی تعریف۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کا احترام کرنا چاہیے ایک مرتبہ سخت قحط کی وجہ سے اکبر نے گرو ارجن کے کہنے پر پنجاب کا ایک سال کا ٹیکس معاف کر دیا تھا۔ یہ (1595 یا 1598) کی بات ہوگی۔

پہلا جے سوئٹ مشن

لیکن اب ہم اپنے موضوع پر واپس آتے ہیں۔ پہلے جے سوئٹ مشن نے دربار میں آنے کے لئے گوا کو (17 نومبر 1579) میں چھوڑا۔ 13 دسمبر کو وہ دمن سے سورت کے لئے چلے۔ 28 فروری 1580 کو فادر اکیو آوی اور انزیق فتح پور سیکری پہنچے۔ فادر مونسیراٹ جو کہ نوار کے مقام پر بیمار ہوگیا تھا وہ ایک ہفتہ بعد 4 مارچ کو پہنچا۔ مشنریوں کا دربار میں پرجوشی سے استقبال کیا گیا۔ ابوالفضل اور حکیم علی گیلانی کو حکم ہوا کہ وہ مہمانوں کے آرام اور صحت کا خیال رکھیں۔ فادر مونسیراٹ کو تھوڑے ہی دنوں بعد بادشاہ کے دوسرے لڑکے مراد کا استاد مقرر کر دیا گیا کہ جس کو پیار سے پہاڑی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ فتح پور کی چھوٹی پہاڑیوں کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔

عیسائی مشنریوں کے مسلمان علماء کے ساتھ تلخ بحث مباحثے ہوئے۔ لیکن بادشاہ ان کے ساتھ جین مت کے علماء کی طرح مہربانی اور شفقت کے ساتھ پیش آتا رہا۔ لیکن (1580 سے 1582) کا وقت سیاسی حالات کی وجہ سے بڑا پریشان کن تھا۔ کیونکہ اسی دوران ایک نئے عقیدہ کی بنیاد رکھنے' اسلام کو ترک کرنے' اور جین مت اور عیسائیت سے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی مسلمان رعایا اس کے خلاف ہوگئی تھی۔ بغاوتیں ابتداء میں مشرق سے شروع ہوئیں۔ اس کی وجہ جونپور کے قاضی کا فتویٰ تھا کہ جس کی وجہ سے راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اکبر کی جگہ اس کے بھائی مرزا حکیم کو ہندوستان کا بادشاہ بنانے کی سازش شروع کر دی۔ ان حالات کی وجہ سے' جیسا کہ فادر مونسیراٹ

نے کہا ہے' وقتی طور پر اکبر کے رویہ میں مشنریوں کی طرف سے سردمہری آ گئی' لیکن یہ تھوڑے عرصہ تک ہی رہی۔

(1582) تک یہ تمام بغاوتیں کچل دی گئیں اور اس کے خلاف جو پروپیگنڈا تھا اسے ختم کر دیا گیا۔ اکبر کو اس قدر اعتماد ہوگیا کہ اس نے دین الہٰی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سے مذہب اسلام سے دوری سب پر ظاہر ہوگئی جیسا کہ بدایونی لکھتا ہے کہ "اس میں اسلام کی کوئی ایک نشانی بھی باقی نہیں رہی"۔

پرتگیزیوں سے اختلافات

جب مشنریوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اب ان کا دربار میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو انہوں نے واپس گوا جانے کی اجازت طلب کی۔ لیکن ان سے کہا گیا کہ وہ ابھی اور قیام کریں۔ ان کا دربار چھوڑنے میں اکبر کے مذہبی رویوں کے ساتھ ساتھ دوسری وجوہات بھی تھیں۔ سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے حالات ایسے ہوگئے تھے کہ مغرب میں اکبر اور پرتگیزیوں کے درمیان تعلقات انتہائی نازک ہوگئے تھے۔ جب گجرات پر اکبر کا قبضہ ہوا تھا تو (1573) اس کے اور پرتگیزیوں کے درمیان اختلافات کا ہونا ناگزیر ہوگیا تھا۔ مغلوں کے نقطہ نظر سے دمن اور دیو کے مقامات پر ان کا قبضہ جارحانہ تھا۔ اس کے علاوہ پرتگیزیوں کا سمندری راستوں پر قبضہ تھا جس کی وجہ سے وہ حاجیوں کے جہازوں کو روکتے تھے اور مسافروں کی بے عزتی کرتے تھے۔ اس زمانے میں حاجی سمندری راستہ سے حج پر جانے کے لئے اس لئے مجبور تھے کہ خشکی کا راستہ قزلباشوں کی وجہ سے غیر محفوظ تھا۔ سمندروں کے راستے سے محفوظ طریقے سے جانے کے لئے حاجیوں کو پرتگیزیوں سے ایسے پاسپورٹ لینا پڑتے تھے کہ جن پر حضرت مریم و عیسیٰ کی تصاویر چھپی ہوئی تھیں۔ ان کے بغیر پرتگیزی جہازوں کو جانے نہیں دیتے تھے۔ اس قسم کے پاسپورٹ مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کے لئے کافی تھے' لیکن یہ بھی تھا کہ وہ حج کے رکن کو چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔

ٹامس کوریٹ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے اس سے مسلمانوں اور پرتگیزیوں کے درمیان تعلقات پر روشنی پڑتی ہے' اس واقعہ کا تعلق بھی اکبر کے دور حکومت سے

تھا۔ ”اکبر بادشاہ ایک خوش قسمت حکمران تھا کہ جسے اپنی پارساماں سے بہت محبت تھی اس نے اس کی کسی خواہش کو پورا کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن اس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہ ہماری بائبل کو ایک گدھے کی گردن میں لٹکا کر اسے شہر میں گھمایا جائے۔ یہ اس کے جواب میں تھا کہ پرتگالیوں نے مسلمانوں کے ایک جہاز پر قبضہ کرکے قرآن شریف کو ایک کتے کی گردن سے باندھ کر اسے ہرمز کے شہر میں پھرایا تھا۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اس درخواست کو رد کر دیا کہ اگر پرتگالیوں کا قرآن شریف کے ساتھ یہ سلوک برا تھا تو ایک بادشاہ کا یہ کام نہیں کہ برائی کا جواب برائی سے دے۔ کیونکہ کسی مذہب کی توہین کرنا خدا کی توہین ہے۔ اس لئے وہ ایک معصوم کتاب سے یہ انتقام نہیں لے گا“۔

اکبر کے دربار میں ایک ایسی جماعت تھی کہ جو عیسائیت کو پسند نہیں کرتی تھی انہیں اس سلسلہ میں پورے حرم کی حمایت حاصل تھی' جیسا کہ پیروشی نے لکھا ہے ” اکبر کی بیگمات کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں انہیں چھوڑ نہیں دیا جائے۔ اس لئے ان کا رویہ عیسائیت کے خلاف تھا“ اس جماعت کی مخالفت اس وقت اور بڑھ گئی جب اکبر کی ماں حمیدہ بانو بیگم اور اس کی پھوپی گلبدن بیگم 1582 میں حج سے واپس آئیں۔ ان وجوہات کی وجہ سے اختلافات پوری طرح سے واضح ہو کر سامنے آ گئے اور فروری 1583 میں فادر اکوادی وا کو واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ فادر مونسیراٹ پہلے ہی اپریل 1582 میں یورپ کی سفارت کے ساتھ ہندوستان سے جا چکا تھا۔

اکبر اور اس کا یورپی سفارتی مشن

اس کتاب میں اس کا حوالہ ملے گا کہ اکبر نے سید مظفر کی راہنمائی میں ایک وفد یورپ کے لئے روانہ کیا تھا۔ سفیر جو خط لے کر روانہ ہوا تھا' یہ دانایان فرنگ کے نام پر لکھا گیا تھا لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ خط یورپ کے حکمرانوں کے نام تھا۔ خیال ہے کہ یہ خط اسپین کے حکمران فلپ دوم کے نام تھا تاکہ اس کی دوستی کے ذریعہ مغل ترکوں کے خلاف مدد حاصل کرسکیں۔ لیکن اس میں ظاہراً یہ درخواست کی گئی تھی کہ اسپین عیسائی مشنریوں کی ایک تازہ جماعت مغل دربار میں بھیجیں۔ اس خط میں جو زبان

استعمال کی گئی تھی وہ اس قدر مشکل الفاظ' تلمیحات اور استعاروں سے پر تھی کہ اس کو پڑھنا انتہائی غیر دلچسپ تھا۔ اس کا مکمل انگریزی ترجمہ اپریل (1887) کے جرنل انڈین اینٹی کویری کے صفحہ نمبر 135 پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات اس دنیا میں امن و خوش حالی کے لئے کس قدر ضروری ہیں اکبر کی شخصیت کو بڑھاتے ہوئے اس میں اس کی فتوحات اور اس کی کامیابیوں کا بھی ذکر ہے۔ اس خط میں کہا گیا ہے کہ عقل مند اور ذہین لوگوں سے کہ' جو روحانیت کی روشنی سے منور ہیں' یہ پوشیدہ اور چھپا ہوا نہیں ہے کہ اس ارضی دنیا میں کہ جو آسمان دنیا کا عکس ہے اس میں ایسی کوئی' صنعت نہیں ہے جو محبت سے بڑھ کر ہو' اور کوئی خوبی ایسی نہیں ہے کہ جو فیاضی کا مقابلہ کرسکے۔ اس دنیا کا امن اور توازن دوستی اور یگانگت میں ہے۔ ہر دل میں محبت کا سورج اس قدر جگمگاتا اور روشنی کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی روح کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے کہ جب یہ دو حکمرانوں کے درمیان میں ہو۔ ان کے درمیان امن کا مطلب ہے دنیا میں لوگوں کے درمیان امن۔ ان باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نیک دلی اور خلوص سے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ محبت کے تعلق اور اتحاد کو نہ صرف قائم کریں بلکہ اسے استحکام بخشیں۔ یہ نہ صرف عوام کے درمیان میں ہو بلکہ حکمرانوں کے درمیان میں بھی ہو کہ جن کا تعلق اعلیٰ و شریف حکمران خاندانوں سے ہے اور جو کہ مذہب عیسائیت کے محافظ اور اس کے مبلغ ہیں۔ اب تک ان تعلقات کے راستے میں کچھ ایسی مشکلات آتی رہیں کہ جن کی وجہ سے ان کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا۔ لیکن اب مناسب سمجھا گیا کہ مراسلات اور کتابت کے ذریعہ اس سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ذہین اور قابل لوگوں کو منتخب کیا گیا ہے تاکہ وہ زبانی پیغامات دے سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ پیغامات کا یہ سلسلہ دونوں جانب سے جاری رہے گا تاکہ ہم ایک دوسرے کے امور سے باخبر رہیں اور اپنے تعلقات کو خوشگوار رکھیں۔ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہوں گے کہ اس پر سب کو اتفاق ہے کہ آخرت کو اس دنیا پر پوری طرح سے بالاتری ہے۔ اس لئے دنیا کے حکمرانوں کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ اس دنیا کی برائیوں اور خرابیوں کو کس طرح سے دور کریں لیکن دیکھا جا رہا ہے

کہ یہ لوگ اکثر دنیاوی اور مادی فوائد اور خوشیوں کے حصول میں دن رات سرگرداں ہیں اور اس چیز کا احساس نہیں کہ یہ تمام چیزیں فانی ہیں۔ یہ خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی ہے کہ وہ ہماری ان کمزوریوں کے باوجود ہمیں اپنی رحمتوں سے مایوس نہیں کرتا اگرچہ ہم نے کئی حکمرانوں کو شکست دے کر ان کی سلطنتوں پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کے انتظام سلطنت کی ذمہ داری اب ہم پر ہے۔ اس کے باوجود ہماری خواہش ہے کہ ہم سچائی تلاش کریں اور یہ دریافت کریں کہ یہ کہاں ہے؟"

خط کا اختتامیہ اس طرح سے ہے کہ "سید مظفر جو کہ وفادار اور جو ذہانت کی تمام خوبیوں سے مرصع ہے' اس پر ہماری پوری پوری مہربانی ہے' یہ باقی معاملات آپ کو زبانی بتائے گا۔ مہربانی کرکے مراسلت کے سلسلہ کو جاری رکھیں"۔

وہ معتمد بغیر کہ جس پر اکبر کو اعتماد تھا' وہ اپنے مالک کے معیار پر پورا نہیں اترا اور خود کو دکن میں روپوش کرلیا۔ فادر مونسیراٹ اور عبداللہ دونوں گوا پہنچ گئے۔ بعد میں عبداللہ یورپ جانے کے بجائے واپس فتح پور چلا آیا یہ خط جن کے لئے لکھا گیا تھا انہیں نہیں مل سکا۔ (1607) میں اگرچہ جہانگیر نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ یورپ ایک مشن بھیجنا چاہتا ہے' مگر یہ بھی نہیں بھیجا جاسکا۔

فادر مونسیراٹ

پہلا مشن اپنے مقاصد کو پانے میں ناکام ہوگیا اور مشنریوں کے نقطہ و نظر سے وہ اپنے مشن سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں کرسکے۔ لیکن اس کے برعکس اس مشن نے جو تاریخی مواد چھوڑا ہے اس سے اس عہد کی تاریخ کو بہت عمدہ مواد ملا ہے۔ فادر موانسیراٹ جس نے کہ اس سفر کے تاثرات چھوڑے ہیں۔ اس کے بارے میں ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ اس کے بارے میں جو بھی مواد ملا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب 1569 میں لسبن میں پلیگ کی وباء آئی ہے تو یہ اس وقت سینٹ مرتھا کی خانقاہ میں اس کا ایک رکن تھا اور اس نے پلیگ کے دوران مریضوں کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ جب مغل بادشاہ اکبر کے ساتھ فتح پور میں رہا یا اس کے ساتھ کابل کے سفر میں' اس نے اپنے مشنری جذبہ کے ساتھ ساتھ ایک مورخ کی گہری نظر

کو ہمیشہ باقی رکھا اور اپنے اردگرد کے ماحول کا گہرائی سے مشاہدہ کیا۔ فروری (1581) میں اکبر نے اپنے بھائی مرزا حکیم کے خلاف کابل کی طرف پیش قدمی کی۔ کیونکہ اس نے بغاوت کرتے ہوئے پنجاب پر حملہ کیا تھا فادر مونسیراٹ اس کی ہمراہی میں پشاور تک گیا۔ بعد میں وہ فوج کے دوسرے دستے کے ساتھ جلال آباد پہنچا۔ واپسی پر مونسیراٹ نے دارالسلطنت میں قیام کیا۔ لیکن بادشاہ کے غیر متوازن رویہ اور دین الٰہی کے اعلان نے اسے مایوس کر دیا' لہٰذا اس نے بہتر سمجھا کہ مراد کی تعلیم و تربیت کو سنبھالنے کے بہانے وہ آگرہ آ جائے۔ اپریل (1582) میں اکبر نے یورپ کے لئے ایک سفارت روانہ کی اس میں فادر مونسیراٹ کو شامل کرکے کہا گیا کہ وہ اس کے ساتھ گوا تک جائے۔ گوا میں ارباب اقتدار کے کہنے پر فادر مونسیراٹ نے ہندوستان اور اس کے بادشاہ کے بارے میں اپنے تاثرات لکھے۔ ابھی وہ اپنے تحریری مواد کو ترتیب دے رہا تھا کہ اسے ابی سینیا (1588) جانے کا حکم ملا اس لئے خیال ہے کہ یہ کام کئی برسوں ادھورا پڑا رہا ہوگا' اگرچہ وہ مسودہ کو اپنے ساتھ لے گیا تھا کہ اسے وہاں ختم کرے گا۔ عرب کے ساحلی علاقے میں اس کا جہاز عربوں نے پکڑ لیا اور اسے گرفتار کرکے پہلے ذعفرے جیل میں اور بعد میں صنعا میں رکھا گیا۔ یہاں پر اسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنی کتاب مکمل کرسکتا ہے لہٰذا یہ دسمبر (1590) میں سینٹ وماس کے تہوار کے موقع پر صنعا میں پوری ہوئی۔ اگست 1596 میں تاوان کی رقم ملنے پر اسے رہائی ملی اور وہ دسمبر میں واپس گوا آیا اور ساتھ میں اپنا مسودہ بھی لایا۔ لیکن ان مصیبتوں کی وجہ سے اس کی صحت خراب ہوگئی' آخری دنوں میں وہ سالسٹ چلا آیا جہاں 1600 میں اس کی وفات ہوئی۔

کومنٹری

کچھ وجوہات کی بنا پر مونسیراٹ کی کومنٹری لسبن یا روم نہیں بھیجی گئی۔ کسی نہ کسی طرح سے یہ مسودہ کلکتہ آگیا جہاں یہ فورٹ ولیم کالج کی ملکیت میں رہا' اس کے بعد مٹکاف ہال اور امپیریل لائبریری میں محفوظ رہا۔ (1906) میں اسے ڈبلیو کے۔ فرمنگر نے سینٹ پال کیتھڈرل لائبریری میں دریافت کیا۔ اس کا لاطینی متن (1914) میں

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے چھاپا۔

بد قسمتی سے کومنٹری کے ابتدائی صفحات غائب ہیں۔ یہ اچانک فادر پیسرارا کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ اس کتاب کی تاریخی حیثیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ یہ اکبر کے کردار اور اس کے عہد حکومت پر ایک نئی روشنی ڈالتی ہے یہ ابوالفضل کے تعریفی بیانات اور بدایونی کی زہر آلود تحریروں کے درمیان ایک تعلق ہے کہ جس سے اکبر کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔ اکبر نہ صرف ایک بڑا حکمران اور جرنل تھا' بلکہ وہ سچائی کا بے چین متلاشی تھا کہ جو ہر مذہب میں اس کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کتاب میں اس کے کردار کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں' اس کی سنجیدگی و مزاح' فیاضی و کنجوسی' تیزبینی و تنقید نظری اور صداقت و توہمات۔ ان واقعات میں اس قدر گہرائی ہے کہ جو ہزاروں خشک و غیر دلچسپ تاریخی بیانات پر بھاری ہیں مثلاً وہ اپنے باغی بھائی کے سفیر کو بھینسوں کی لڑائی کے موقع پر بلواتا ہے اور پھر اسے پرانے کپڑے تحفہ میں دے کر واپس بھیج دیتا ہے اس طرح سے وہ اس شخص کو معاف کر دیتا ہے کہ جس نے بڑے مزاحیہ انداز میں اپنے اس دعویٰ کی تردید کر دی کہ وہ خوش الحان گانے والا ہے۔

اسلوب

مونسیراٹ کا طرز تحریر بڑا سلجھا ہوا اور پیچیدہ ہے۔ اس لئے اس کے لاطینی کے مترجم نے کئی جگہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس کی بات کو پوری طرح سے واضح نہیں کیا جاسکا ہے۔ لیکن اس نے ان واقعات کو صاف اور واضح انداز میں لکھا ہے کہ جن سے وہ خود بخوبی واقف تھا۔ اس کی مثالیں اس کی ان تفصیلات سے مل سکتی ہیں کہ جو اس نے مغل فوج اور تبت کے بارے میں دی ہیں وہ یونانی زبان سے پوری طرح سے واقف نہیں تھا' مگر اس زمانہ کے لحاظ سے اس نے جگہ جگہ یونانی کے الفاظ و محاورے استعمال کئے ہیں جو اکثر غلط ہیں۔ ناموں کی لہجے میں بھی وہ احتیاط سے کام نہیں لیتا۔

مصنف اکثر تلخ و تیز مزاج سے کام لیتا ہے' مگر اس کا نشانہ مذہب اسلام ہے کہ جس سے یہ پوری کتاب بھری ہوئی ہے۔ اگرچہ مترجم نے ان جملوں کی تلخی کو کم کرنے کی کوشش کی ہے' مگر پھر بھی اس کی نفرت ان میں باقی ہے۔ قارئین بہرحال یہ ذہن

میں رکھیں کہ یہ 16 ویں صدی کی مذہبی بحثیں ہیں۔ لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعصب کو کس طرح مغل دربار میں برداشت کیا گیا جو کہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ اس لئے اگر ایسا شخص کہ جو اس قدر متعصب ہو' وہ اس دربار اور اس عہد کی تعریفیں کرے' تو یقیناً وہ معاشرہ اس سے زیادہ ہی اچھا ہوگا۔

ایس۔این۔بینرجی
جان۔ایس۔ ہیولینڈ
ہس لوپ کالج' ناگپور

فادر مونسیراٹ کا تعارف

پرانے وقتوں کے لوگ اس قدر منظم اور محتاط ہوتے تھے کہ جب وہ سفر پر جاتے تھے تو ہر روز ہونے والے واقعہ کو احتیاط کے ساتھ اپنی ڈائری میں لکھ لیا کرتے تھے۔ سکندر جب ایشیا کی مہمات پر گیا تو اس نے واقعات کو تحریر کرنے کا چارج مقدونیہ کے اراٹوس تھینز کو دیا جب کہ سلوکس کے بیٹے انٹیوکس نے یہ ذمہ داری آرٹے میڈورس کو سونپی۔ لیکن جولیس سیزر نے کسی اور کے بجائے خود اپنی جنگی مہمات کے بارے میں اپنے تاثرات لکھے۔ ایران کے بادشاہ بھی کہ جیسا کہ ایس ڈراس نے لکھا ہے یہی کرتے تھے۔ اور اپنے دربار میں مورخ رکھتے تھے کہ جن کی یہ ذمہ داری تھی کہ ان کی مملکت میں جو بھی واقعہ ہو اسے ضبط تحریر میں لے کر آئیں۔

اس رواج کو اب بہت سے لوگوں نے اپنا لیا ہے۔ چاہے وہ خشکی سے سفر کریں یا سمندر، اپنے تاثرات ضرور قلم بند کرتے ہیں۔ اب یہ مشاہدات جغرافیہ، سمندری حالات نئے علاقوں کی دریافت کے ساتھ ساتھ تاریخ سے بھی متعلق ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ادب میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

ان وجوہات کی وجہ سے سوسائٹی آف جیس میں یہ دستور ہو گیا ہے کہ تمام واقعات کا ریکارڈ رکھا جائے۔ اس دستور کا تعلق ہمارے محترم فادر اگناشس سے ہے کہ جنھوں نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ دلائی۔

اس وقت جب ہم مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے دربار میں جانے کی تیاری کر رہے تھے تو روڈاک ون سین، جو کہ سوسائٹی کے سربراہ ہیں نے اس کام کو میرے ذمہ لگایا کہ میں سفر اور قیام کے دوران جو بھی دیکھوں اسے قلم بند کروں۔ لہٰذا سوسائٹی کے

ڈسپلن کے تحت یہ میری ذمہ داری ہو گئی کہ میں احتیاط کے ساتھ تمام واقعات تحریر میں لاؤں اس لیے ڈھائی سال تک میں شام کو وہ تمام واقعات لکھ لیتا تھا کہ جو دن میں ہوتے تھے' لہٰذا دن میں جو بھی نیا تجربہ ہوتا' یا کوئی نئی بات ہوتی' میں پوری احتیاط سے اس کی تفصیل اپنے پاس محفوظ کرلیتا تھا۔ مثلاً" وہ دریا' شہر' اور علاقے جہاں سے میں گذرا تھا' باشندوں کے مذہب اور رسم و رواج کے بارے میں میرے مشاہدات' بادشاہ کے دربار میں آنے کے بعد اس کی وہ عقیدت جو اس نے حضرت عیسیٰ اور عیسائیت کے بارے میں دکھائی (اگرچہ وہ محض ایک دھوکہ تھا) ان سب باتوں کو میں نے احتیاط سے لکھا ہے۔ میں نے اس کی اس مہربانی کا ذکر کیا ہے کہ جو اس نے روڈولف کے ساتھ کی اور اسے انتہائی اہم ذمہ داری سونپی (افسوس کہ اس کی یہ مہربانی بھی ایک فریب تھی اور اس کی وجہ اس کی خود غرضی تھی) لیکن روڈولف کا جذبہ ایمانداری' اور خلوص وہ موضوعات ہیں کہ جن پر میں نے توجہ دی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بحث و مباحثے' اس افغان جنگ کا ذکر کہ جس میں اکبر نے اپنے دشمنوں کو شکست دی' اور اکبر کے اس استقبال کے بارے میں بھی جو اس کی رعایا نے فتح کی خوشی میں اسے دیا' یہ بھی میرے موضوعات ہیں۔

واپسی پر میں نے اپنے ان لکھے ہوئے نوٹس کو دیکھا جو میں نے جلدی میں لکھے تھے۔ جب میں نے انہیں سوسائٹی کے ان عالموں کے سامنے پڑھا کہ جو ادب و علم میں گہرا تجربہ اور علم رکھتے ہیں۔ تو انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں انہیں دوبارہ سے لکھوں اور واقعات کو ترتیب سے بیان کرتے ہوئے ان کی اہمیت کو اجاگر کروں ان لوگوں کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے میں نے انہیں دوبارہ سے تحریر کیا مگر ساتھ ہی میں نے نقطہ نظر کو برقرار رکھتے ہوئے' اس سے انحراف بھی نہیں کیا۔

اب سے یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ میں نے اس کام کو شروع کیا تھا چھ سال پہلے (1588) پیٹر مارٹن جو کہ ہندوستان میں مشن کے سربراہ ہیں انہوں نے مجھے افریقہ جانے کا حکم دیا اگرچہ میں اس وقت لکھنے کا کام شروع کرچکا تھا مگر ان کے حکم کی تعمیل پر اس لیے مجبور ہوا کیونکہ وہ موسم سفر کے لیے مناسب تھا۔ میں اپنے کام کو مکمل کرکے دے نہیں پایا تھا کہ مجھے مسلمان دشمنوں نے گرفتار کرلیا اور ذعفر میں قید

کر دیا یہ شہر حضر موت کے قریب ہے جہاں کی خوشبوئیں مشہور ہیں اس کے بعد مجھے عینود بھیج دیا گیا' مسلمان بادشاہ عمر نے مہربانی کرتے ہوئے میرا سامان اور کتابیں مجھے لوٹا دیں۔ اگرچہ میں قید کی حالت میں تھا مگر اس نے مجھے خاصی آزادی دیدی تھی۔ چار مہینوں کے دوران میں نے اطمینان سے اپنے مسودے کو درست کیا اور اس میں بہت کچھ اضافے کئے اس مہربانی کی وجہ سے میرے دل میں قید کرنے والوں کے خلاف کوئی تلخی نہیں رہی۔ قید میں میرے لیے فادر پیٹرپائے سیس بڑا سہارا تھے کہ جن کے سامنے میں اعترافات کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ میری تسکین مقدس کتابوں کے مطالعہ اور صبح و شام کی عبادت سے ہوتی تھی۔

چار مہینوں کے اس آرام کے بعد مجھے پھر اپنی ادبی مصروفیات کو روکنا پڑا کیونکہ مجھے کہا گیا کہ میں صنعا جاؤں کہ جہاں ترکی کے گورنر کی رہائش ہے وہ نسلاً'' البانیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے بھی مہربانی کرتے ہوئے حکم دیا کہ مجھے میری کتابیں اور لکھنے کا سامان دے دیا جائے جس کی وجہ سے میں اس قابل ہوا کہ اپنی تحریروں کو درست کروں اور انہیں تمام غلطیوں سے پاک کروں۔

اب اس کا انحصار آپ پر ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ میں نے کہاں تک سوسائٹی کے اصول و ضابطہ کے مطابق لکھا ہے اور کیا قاری کو اس سے کچھ فائدہ ہوگا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ اگر میں خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں تو اب میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی تاریخ کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے جغرافیہ اور کلاسک کے طالب علموں کو فائدہ ہوگا۔

ہر وہ واقعہ کہ جس کا تعلق مشن کے سفر' دربار میں ان کے قیام' اور افغانی مہم سے ہے۔ میں نے اسے اسی طرح سے لکھا ہے کہ جیسے یہ واقعات ہوئے تھے اور جیسے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ چنگیز خاں و تیمور بیگ' اور ستھانین و مغل قبائل کی تاریخ' تو یہ بیانات میں نے خود اکبر بادشاہ سے سن کر لکھے ہیں۔ یا اس سفیر کی ڈائری سے کہ جسے ہنری نے جو کہ کیسٹائل کا حکمراں تھا تیمور کے دربار میں بھیجا تھا (اس کا نام گونزا لے دو کلاویجو تھا) یا ان صنعتوں کے تذکروں سے کہ جو قابل اعتماد ہیں۔

آخر میں، میں یہ کہوں گا کہ میں نے اپنی اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصہ میں اس سفر کا بیان ہے کہ جو مغل بادشاہ کے دربار کے لئے کیا گیا، جب کہ دوسرے حصہ میں، پہلے والے پہ بحث ہے۔ یہاں میں نے ان باتوں کا ذکر کیا ہے کہ جن کا تعلق ہندوستان کی نیچرل تاریخ سے ہے۔ اس میں اس کے قدیم اور جدید باشندوں کا ذکر ہے۔

اس کے علاوہ میں نے ایتھوپیا کے سفر کے بارے میں لکھا ہے اور عربیہ کی نیچرل تاریخ اور وہاں کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کتابوں میں میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان جغرافیہ دانوں اور مورخوں کے بیانات کی تصدیق کروں یا ان کی تصحیح کروں کہ جنھوں نے اب تک ہندوستان پر لکھا ہے۔ اس لحاظ سے میری یہ خدمات ہیں جو میں نے اپنے اسکولوں کے طالب علموں اور استادوں کے فائدے کے لئے سرانجام دی ہیں۔

مجھے اعتماد ہے کہ میرے اس کام سے خدائے برتر کو خوشی ہوگی اور لوگوں کو ذہنی طور پر فائدہ ہوگا۔ ایک ایسا فائدہ جس کے حصول کے لئے نہ صرف سنجیدگی سے کوشش کی جاتی ہے بلکہ جسے پوری توانائی کے ساتھ حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کی نظر میں میرے اس کام کی کوئی وقعت ہو اور یہ سمجھا جائے کہ میں نے اپنے دونوں مقاصد کو حاصل کرلیا ہے، تو میں سمجھوں گا کہ میں نے آپ کو مطمئن کر دیا ہے۔ خدا حافظ۔

صنعا

7 جنوری 1551ء

سفرنامہ و مشاہدات

اکبر کا دعوت نامہ

اس کو مجبور کیا گیا کہ وہ بادشاہ کے سامنے جائے۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے گیا تو اس سے مذہب کے بارے میں پوچھا اور یہ کہ کیا ہمارے ہاں بہت پادری ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں اکثر اس سے زیادہ قابل اور عالم و فاضل ہیں۔

اس نے خاص طور سے سوسائٹی کے پادریوں کا ذکر کیا۔ ان کے بارے میں وہ پہلے ہی سے اسماعیل طورنس سے سن چکا تھا' یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے دربار میں جتنی جلد ممکن تھا انہیں آنے کی دعوت دی تھی۔ 1574 میں اس نے ہندوستان کے پرتگیز گورنر کے پاس اپنے سفیر بھیجے' ساتھ ہی گوا کے آرک بشپ سے ریاستی امور پر معلومات کے علاوہ' یہ بھی درخواست کی کہ سوسائٹی کے دو علماء کو اس کے دربار میں فوری طور پر روانہ کیا جائے۔ اس قسم کے فرمان اس نے' اس درخواست کے ساتھ سوسائٹی کے صوبائی سربراہ کو بھی بھیجے فرمان کے مندرجات یہ تھے: اکبر بادشاہ کا فرمان' سینٹ پال کے سلسلہ کے فادر کے نام۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ما بدولت تمہارے لیے عزت و وقار رکھتے ہیں۔ ہم تمہارے پاس' اپنا سفیر عبداللہ اور ڈو مینسکس پیٹریس کو بھیج رہے ہیں کہ وہ ہمارے الفاظ کو تم تک پہنچا دیں ہماری خواہش ہے کہ دو علماء کو ہمارے پاس بھیجا جائے کہ جو اپنے ساتھ کتاب مقدس اور دوسری قانون الٰہی کی کتابیں لائیں تاکہ ہم ان سے پوری طرح سے واقفیت حاصل کر سکیں اور حقیقت تک پہنچ سکیں۔ میری خلوص دل کے ساتھ یہ خواہش ہے کہ میں قانون الٰہی اور کتاب مقدس کے بارے میں آگہی حاصل کروں۔ اس لئے ان سفیروں کو فوری طور پر آنے میں کوئی

تذبذب نہیں کرنا چاہیے اور اپنے ساتھ کتاب مقدس کو بھی لانا چاہیے۔ پادریوں کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ میں انہیں پورے عزت و احترام سے یہاں ٹھہراؤں گا۔ ان کی آمد میرے لئے باعث مسرت ہو گی جب میں عیسائیت کی تعلیمات کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کر لوں گا تو ان کو جس قدر جلدی وہ واپس جانا چاہیں گے اس کی اجازت دیدی جائے گی۔ میں انہیں پوری عزت اور تحفہ تحائف کے ساتھ واپس کروں گا۔ لٰہذا انہیں یہاں آنے میں کسی ڈر و خوف کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہاں وہ میری حفاظت میں ہوں گے۔ خدا حافظ

اس خط کے پرخلوص ہونے کی شہادت ایبی ڈیالس نے دی کہ جس نے اس کے ساتھ ایک سال گذارا تھا اور بندرگاہ کے گورنر طاریس کے خطوط سے ہوئی کہ جنھوں نے لکھا کہ بادشاہ کے فرمان پر پورا پورا اعتماد کرنا چاہیے کیونکہ واقعی یہ اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ فادرز سے ملاقات کرے(لیکن وائسرائے' آرک بشپ' صوبہ کے سربراہ' اور دوسرے افراد اس خط پر مطمئن نہیں تھے۔ لٰہذا وائسرائے نے کہ جس کی سیاسی سوجھ بوجھ سے کسی کو انکار نہیں تھا' یہ فیصلہ کیا کہ اس خط کو کونسل آف بشپس کے سامنے رکھا جائے جن کے ممبر اس وقت گوا میں تھے۔ اس کے علاوہ پرتگیزی امراء اور وکیلوں سے بھی مشورہ کیا جائے۔ ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی۔ اکثریت نے اس کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کے وعدے پر اعتبار نہ کیا جائے۔ لیکن یہ سب اس بات پر متفق تھے کہ چونکہ اس میں مذہب کا معاملہ ہے اس لئے فیصلہ کا اختیار آرک بشپ اور دوسرے بشپوں کو دیا جانا چاہیے۔

مشن

آرک بشپ ہنری طوئرا اور بشپس کی کونسل نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے دعوت نامہ کو قبول کرتے ہوئے دو پادریوں کو جیسا کہ اس نے درخواست کی ہے' اس کے دربار میں بھیج دینا چاہیے۔

فادرز کے اس فیصلہ کے بعد وائسرائے کے پاس ایسی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ اس سے انکار کرتا لٰہذا اس نے فوری طور پر سوسائٹی کے سربراہ روڈاک ونسن ٹینس کو

طلب کیا اور اس کو بتایا کہ یہ کونسل کا فیصلہ ہے اور اس سے اسے بھی اتفاق ہے۔ سوسائٹی کا راہنما بھی اس فیصلہ پر خوش ہوا۔ کیونکہ وہ ذہنی طور پر بادشاہ کی خواہش کو پورا کرنے اور اس کے نتیجہ میں اپنی معصوم خواہشات کو عملی طور پر دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ لہٰذا جیسے ہی وائسرائے کے ذریعہ بشپس کی رپورٹ ملی تو اس نے سوسائٹی کے دستور کے تحت دو پادریوں کو نامزد کیا۔ روڈولف اکیووی وا کو سربراہ مقررہ کر کے وعدہ کیا کہ وہ اس کے ہمراہ پادریوں کو کر دے گا۔

میں اس خوشی کو بیان نہیں کر سکتا کہ جو فادر روڈولف کو اس نامزدگی سے ہوئی اور اس نے اسے خدا کی جانب سے الہٰی حکم سمجھا۔ میں اس کی نیکیوں کا ذکر کسی اور جگہ کروں گا۔

جب وائسرائے کو یہ اطلاع دی گئی کہ سربراہ نے روڈولف کو اس مشن کے لئے مقرر کیا ہے تو اس نے اسے اس منتخاب پر مبارک باد دی اور حکم دیا کہ اس کے سفر کے لئے ٹرانسپورٹ اور خورد و نوش کے اسباب کو مہیا کیا جائے۔ جب روڈولف' وائسرائے کے پاس الوداع کے لئے آیا تو اس نے اسے پورے مشنری جذبہ کے ساتھ خدا حافظ کہا۔

سفر کی ابتداء

سوسائٹی کے سربراہ نے روڈولف کے ہمراہ ایک شخص کو نامزد کیا کہ جو فارسی کی بہترین استعداد رکھتا تھا۔ جب جہاز رانی کا موسم آیا تو وہ خود روڈولف کے ہمراہ گوا سے آٹھ دن کے سفر میں چولی تک اس کے ساتھ گیا' دمن میں اس نے روڈولف کے تیسرے ساتھی کو منتخب کیا دمن میں چار دن قیام کرنے کے بعد روڈولف اور اس کے ساتھی دوبارہ سے سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ سربراہ شہر کے دوسرے پادری اور قلعہ کے رہنے والے مشن کے ساتھ ایک میل کے فاصلہ تک آئے اور اس کے بعد ہر ایک نے انہیں الوداع کہا۔ دونوں جانب سے جدائی کے غم میں آنسو بہائے گئے۔ رات انہوں نے ایک گاؤں میں گزاری جو ارور کے نام سے مشہور تھا اور جو دونوں سلطنتوں کی سرحد پر واقع تھا۔ دوسرے دن وہ جلال الدین اکبر کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ دریا پار

کرنے کے بعد کہ جسے مقامی زبان میں "پہاڑنیرا" کہتے ہیں۔ اور جو مغلوں اور پرتگیزیوں کی سرحد کو تقسیم کرتا ہے، وہ اور آگے بڑھے اور مختلف قصبوں میں ٹھہرتے ہوئے سورت شہر پہنچے۔

پارسی

نوصیری وہ خاص جگہ ہے جہاں ایران سے آیا ہوا زرتشتیوں کا فرقہ رہتا ہے۔ مثلاً یہ لوگ گبر ہیں۔ (کافر) پرتگیزی انہیں کیبورینی، کہتے ہیں ان کا رنگ سفید ہے۔ اپنی جسمانی اور ذہنی خصوصیات و عادات و اطوار سے یہ یہودیوں سے مشابہہ ہیں۔ ان کا لباس عادات و اطوار اور مذہبی طور طریق بھی یہودیوں جیسے ہیں۔ اسی وجہ سے پرتگیزی انہیں یہودی کہتے ہیں۔ وہ خود بھی اس نام سے ناراض نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں اور اس وجہ سے ان کے ہاں بھی ختنہ کا رواج ہے۔ وہ اپنی قدیم دستاویزات کی مدد سے حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کی صحیح تاریخ بتاتے ہیں۔ اپنی خاص نشانی کہ جس کی وجہ سے وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ وہ ان کا لباس ہے جو کہ ململ کا بنا ہوا لمبی قمیض ہے جو شانوں سے نیچے تک لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اس لباس کے گرد اون کی بنی ہوئی ایک لمبی سی پٹی باندھ لیتے ہیں۔ اگر وہ کسی لاش کو چھو لیں تو اس سے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے مردوں کو مکان کے سامنے والے دروازے سے لے کر نہیں جاتے بلکہ اس کے لیے دیوار میں بڑا سا سوراخ کرتے ہیں۔ یہ جنازے کو کندھوں پر لے کر نہیں جاتے ہیں، جبکہ مردے کے پیر باندھ کر اسے پیٹھ کے بل گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ وہ نہ تو اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں اور نہ ہی جلاتے ہیں بلکہ ایک ایسی جگہ رکھ دیتے ہیں کہ جو اونچی دیواروں سے گھری ہوتی ہے تاکہ وہاں جنگلی جانوں داخل نہ ہو سکیں، وہاں لاش کو یا تو گدھ اور اسی قسم کے دوسرے پرندے نوچ نوچ کر کھا لیتے ہیں۔ یا وہ سورج کی تمازت سے سوکھ جاتی ہے۔ وہ مردے کو لیجانے کے بعد گھر میں جس قدر پانی ہوتا ہے اسے بہا دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی مردے کی کسی شے کو استعمال نہیں کرتا ہے۔ یہ رسوم و رواج نہ صرف یہودیوں سے ملتے ہیں بلکہ درحقیقت انہی سے لیے گئے ہیں۔

اگرچہ یہ یہودی مذہبی رسومات پر عمل کرتے ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ آگ اور سورج کی پوجا کرتے ہیں اور آگ' کے احترام میں مندر تعمیر کرتے ہیں۔ ان مندروں میں وہ پجاری مقرر کرتے ہیں اور آگ کے لئے نگراں رکھتے ہیں۔ یہ جوتشیوں کی بات کو مانتے ہیں۔ وہ آگ کو مسلسل جلتا ہوا رکھے ہیں' اس غرض سے اس میں تازہ گھی اور خوشبودار تیل ڈالتے رہتے ہیں۔ اگر وہ کسی بات پر عہد لیتے ہیں' تو وہ جلتی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں' یہ ان کا مقدس عہد ہوتا ہے۔ اگر وہ اس طرح سے قسم نہ کھائیں' اور عہد نہ لیں تو ان کی کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں کرتا ہے۔

اپنے تہوار کے دنوں میں یہ صبح کے وقت عبادت کرتے ہیں۔ ان کی دعائیں اونچی اونچی آواز میں پڑھی جاتی ہیں' اور جس زبان میں یہ ادا کی جاتی ہیں وہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کی زبان کا اپنا علیحدہ سے رسم الخط ہے۔ ان کی مذہبی کتاب صرف ایک جلد میں ہے اور اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو ان کی زبان سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب کے تین حصے ہیں' جو کہ مذہبی رسومات' دانشمندی اور قانونی ضوابط' اور ان کے عالموں کے گیت کہ جن میں الوہی اشارے اور پیش گوئیاں ہیں پر مشتمل ہے۔

ان لوگوں کی غذا میں گھی' دودھ' تیل' سبزیاں' دالیں اور پھل ہوتے ہیں۔ وہ شراب سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دے سکتے ہیں۔ جو عورتیں بدکار ہوتی ہیں ان کی ناکیں کاٹ کر انہیں طوائف بنا دیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ کردار اور عادات میں کافروں کی طرح سے وحشی و غیر مہذب ہیں۔ اگر ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ خوفناک طریقہ سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ یہ ہیں پارسیوں کے رسم و رواج۔

سورت

فادرز کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ سورت میں قیام کریں۔ جہاں انہوں نے ایک مہینہ گزارا۔ بادشاہ کا سفیر اس وقت تک سفر کرنے پر تیار نہیں تھا جب تک کہ چاند پوری طرح سے نہ نکل آئے۔ یہ مسلمانوں کا دستور ہے کہ سفر کے لئے نیک ساعت کا انتظار کرتے ہیں۔

بہرحال سفر کی دیری نے نہ تو ہمیں پریشان کیا اور نہ ہی بیکار رکھا۔ اس وقت جب کہ مسلمان اپنا وقت فضول کاموں میں گذارتے تھے' فادرز انتہائی محنت و انہماک سے فارسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ اس دوران کافی لوگ ان سے ملاقات کے لئے آئے' جنہیں ان اجنبیوں کو دیکھنے کا شوق تھا کہ جن کا لباس زبان اور مذہب بالکل مختلف تھا اور جنہیں بادشاہ نے ان کی دانشمندی اور پارسائی کی وجہ سے دربار میں طلب کیا تھا۔ فادرز آنے والوں کو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی تصاویر دکھاتے تھے' ان تصاویر کو دیکھ کر وہ اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ وہ نہ صرف ان کو بوسہ دیتے تھے بلکہ احتراماً انہیں اپنے سروں پر بھی رکھ لیتے تھے اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ جو لوگ نیک ہوتے ہیں' وہ سچائی کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان میں ایسے بھی ہیں کہ جو اپنی نیکی کے باوجود گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یا اپنی ضد اور تعصب کی وجہ سے سچائی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک عجیب و غریب یا یہ کہا جائے تو بہتر ہو گا کہ ایک کراماتی واقعہ ہوا' ایک مجوسی جس کو میں یہودی کہنا پسند کروں گا۔ وہ ڈھٹائی کے ساتھ فادرز کی مخالفت کر رہا تھا کہ اسی وقت اتفاق سے فادر روڈولف نے ایک صندوق کھولا جس میں سینٹ اسٹیفن اور دوسرے اولیاء کے تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ اس کو دیکھ کر وہ مجوسی اچانک خوفزدہ ہو گیا اور زور زور سے چیخیں مارنے لگا' اس کی حالت ایسی ہو گئی گویا کہ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہو وہ کہنے لگا اگر یہاں پر کسی مردہ شخص کی ہڈیاں ہیں تو میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس صورت میں' میں اپنے کپڑے پھاڑ کر انہیں تار تار کر دوں گا۔ روڈولف نے اس کو آہستگی اور نرمی سے سچے عیسائی کی مانند جواب دیا' ہم کسی مردے کی ہڈیاں نہیں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک زندہ شخص کی ہیں۔ اس کے بعد اس نے صندوق بند کر دیا۔ وہ خوفزدہ مجوسی اس کے بعد ٹھیک ہو گیا اور دوبارہ سے بحث و مباحثہ میں مصروف ہو گیا۔

سورت کا شہر دریا کے کنارے واقع ہے۔ یہ دریا شہر سے چھ میل کے فیصلہ پر سمندر سے جا کر مل جاتا ہے۔ اس کا قلعہ دفاعی لحاظ سے اہم جگہ پر ہے اس کے حفاظتی انتظامات کے لئے دو سو مسلح فوجی ہر وقت یہاں موجود رہتے ہیں۔ اس شہر کی

خوبصورت ترین چیز یہاں کی جھیل ہے کہ جس نے شہر کی دلکشی میں اضافہ کر رکھا ہے۔ یہ ہندوستان کی سب سے زیادہ بڑی اور خوبصورت جھیل ہے اس کے ارد گرد سنگ مرر سے بنی ہوئی سیڑھیوں کو دیکھ کر آنکھوں کو تازگی ملتی ہے یہ سیڑھیاں دو سو فٹ چوڑی ہیں اور کئی حصوں میں تقسیم ہوئی ہوئیں ہیں۔ اس کے درمیان میں ایک خوبصورت مینار بنا ہوا ہے جہاں کشتی کے ذریعہ جایا جاتا ہے۔ اس جگہ پر خواجہ ظفر نامی ایک بزرگ کا مراز بھی ہے۔ اس کے بارے میں ہمارے لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ کردار کے لحاظ سے بہت بدنام تھا۔ اس مقبرہ کی عمارت کافی بڑی اور بلند وبالا ہے قیمتی پتھروں اور رنگوں کے ساتھ آرائش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور نکمے شخص کی قبر ہے کہ جو ایتھوپیا سے بھاگ کر آیا تھا اور عیسائیوں کا دشمن تھا۔ یہ شخص خواجہ ظفر کی فوج کا سربراہ تھا عام لوگ اس کو پیر مانتے ہوئے اس کی قبر کا احترام کرتے ہیں' محض اس وجہ سے کہ اسے دمن کے پرتگیزی گورنر نے قتل کر دیا تھا۔ جب عورتیں اس کی قبر پر آتی ہیں تو وہ ہار اور پھول لیکر آتی ہیں۔

سورت میں ہروقت تاجروں کا ہجوم رہتا ہے اور اس کی بندرگاہ ہمیشہ جہازوں سے بھری رہتی ہے کیونکہ یہاں پر یہ آسانی کے ساتھ لنگر انداز ہو جاتے ہیں۔

آخرکار سفیر کو چاند کی نیک ساعت مل گئی اور وہ اپنے ستھیوں کے ساتھ سورت سے سفر پر روانہ ہوا۔ اول اس نے شہر کے دروازے کے باہر اپنے خیمے لگوائے اس کے سفر کے لئے اونٹوں اور کھانے پینے کے سامان کا بندوبست کیا گیا۔ دوسرے دن یعنی 24 جنوری کو وہ روانہ ہوا۔ فادرز کو اس سفر سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ کیونکہ وہ اس بلاوجہ کی دیر اور شگون کے توہم سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ بغیر کسی دیر کے وہ جلد سے جلد بادشاہ کے دربار میں پہنچ جائیں۔ ان کو پورا پورا یقین تھا کہ بادشاہ عیسائیت کو قبول کر لے گا۔ دریائے تاپتی کی دوسری جانب ایک میل چلنے کے بعد' قافلہ راندر کے مقام پر ٹھہرا اس جگہ کو پرتگیزی رینل کہتے ہیں یہ سورت کے مقابل ایک فوجی قلعہ ہے اس کے شہریوں نے ہمیشہ خود ہی پرتگیزیوں کے خلاف بہادری سے اپنا دفاع کیا ہے۔ اگرچہ انہیں کئی مرتبہ شکست بھی ہوئی۔

دوسرے دن اس جگہ سے آگے بڑھے' جہاں دو فادرز اور کچھ عیسائی بیمار پڑ گئے۔

ان میں سے ایک پادری کو پالکی میں لٹا کر لیجایا گیا کیونکہ وہ سخت بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی پالکی اٹھانے والے اس خیال سے کہ جلدی اس بوجھ سے نجات پائی جائے تیز تیز چلتے ہئے پارٹی سے آگے نکل گئے۔ راستہ میں ان کی ملاقات سورت کے گورنر سے ہوئی کہ جو ایک فوجی دستہ کے ساتھ آرہا تھا۔ جب پادری نے اسے سلام کیا تو اس نے پوچھا کہ اس کے پیچھے کون سی جماعت آرہی ہے۔ اسی دوران میں گورنر کے ساتھی آگے بڑھ گئے اور جب انہوں نے ہماری جماعت میں غیر ملکیوں کو دیکھا تو وہ فرینک' فرینک' کہہ کر ان پر ٹوٹ پڑے۔

لیکن گورنر اور سفیر وقت پر وہاں پہنچ گئے اور خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے صورت حال کو بگڑنے سے بچا لیا۔ اگر ان کا کوئی ایک آدمی بھی مارا جاتا تو اس کے نتیجہ میں ہم سب ختم ہو گئے ہوتے۔ اس موقع پر ہم نے سوچا کہ جو پادی ہم سے آگے چلا گیا تھا' وہ یقیناً قتل کر دیا گیا ہو گا۔ لیکن جب ہم نے آگے جا کر اسے زندہ دیکھا تو ہم خوشی سے اس سے ایسے ملے جیسے کہ وہ دوبارہ سے پیدا ہوا ہو' یا جنت سے واپس آگیا ہو۔

دوسرے دن ایک قلعہ کے پاس پہنچے جو کہ ہندوؤں کے مندروں کے ملبہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ مندر مسلمانوں نے تباہ کئے تھے۔ اگرچہ ان کے دوسرے اعمال قابل نفرت ہیں' مگر مندروں کی تباہی قابل تعریف عمل ہے۔ ہمارا کیمپ تاپتی دریا کے کنارے لگایا گیا۔ اس دن ہندوؤں نے اپنے پچھلے سال کے گناہوں کی معافی کے لئے ایک رسم ادا کی۔ ناریل کو توڑ کر اس میں تیل بھرا گیا اور پھر اسے دیئے کی شکل میں جلایا گیا۔ ہر ہندو نے اس کے بعد کپڑے اتارے' پھر آہستہ سے پانی میں ڈبکی لگائی اس دوران ناریل کا دیا پانی کی لہر کے ساتھ اس کے سر سے اتر کر دریا میں تیرنے لگا۔ اس عمل کے بعد وہ خود کو تمام گناہوں سے پاک سمجھنے لگتے ہیں۔ اس رسم کو ہندو "ستامیا" (راتھاسپتاں) کہتے ہیں' کیونکہ یہ ان کے کیلنڈر کے گیارھویں مہینہ میں چاند کی سات تاریخ کو ادا کی جاتی ہے۔

ست پڑا

دریا کے ساحل کو چھوڑ کر جماعت آگے بڑھی اور سلطان پور پہنچی۔ یہ شہر سورت سے 9 دن کے فاصلہ پر ہے۔ یہ وہ دن تھا کہ جس دن مسلمان قربانی کرتے ہیں۔ یہاں پر تین دن تک قیام رہا۔ کیونکہ سفیر اس تہوار کی وجہ سے یہاں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ یہاں سے چل کر چار دن بعد سندھوا میں قیام کیا چونکہ یہاں تک آنے والا راستہ انتہائی تنگ تھا' اس لئے اونٹ ایک قطار میں تھے اور گاڑیوں کو مزدوروں نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ راستہ کے دونوں جانب گھنا جنگل تھا' راستہ بھی ٹوٹا ہوا اور دشوار تھا۔ یہاں پر سفیر کا ایک فوجی ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا مگر اس کے قاتلوں کا پیچھا نہیں کیا گیا۔ ان پہاڑوں کے باشندے بھوتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے تین حکمراں ہیں۔ اور ان میں سے لیک ان کا سربراہ یا بڑا ہے۔ ان کی مغلوں سے ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ ان کے تین قبیلوں میں سے ایک نے تو مغلوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے' مگر باقی دو قبیلے جنگ وجدل میں مصروف رہتے ہیں۔ اگرچہ مغلوں نے کئی بار انہیں شکست دی مگر وہ کبھی بھی ان پہاڑی باشندوں کو مکمل طور پر زیر نہیں کر سکے۔ یہ پہاڑی باشندے جنگلی' وحشی' اور پس ماندہ ہیں۔ ان کا محبوب پیشہ ڈاکہ زنی ہے۔ ان کے ہتھیاروں میں بانس کی بنی کمان اور تیر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور ہتھیار سے واقف نہیں۔ لیکن وہ انتہائی تند خو' آتش مزاج' مال غنیمت کے لالچی' اور کند دماغ ہوتے ہیں۔ ان کی نہ تو گھڑ سوار فوج ہے اور نہ توپ خانہ' لیکن ان کے علاقے کا جغرافیائی ماحول ان کے لئے ساز گار ہے کیونکہ یہاں گھنے جنگل اور گھائیاں ہیں کہ جن میں یہ خود کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن پر چھپ کر اچانک حملہ کرتے ہیں۔ اور لڑائی کے لئے دشمن کے قریب نہیں جاتے ہیں۔ راستوں کی تنگی' اونچی و نوکیلی چٹانوں کی وجہ سے ان کی تھوڑی تعداد ایک بڑی فوج کو روکے رکھتی ہے۔ اگر ان دشواریوں کے باوجود ان پر حملہ کیا جائے کہ جس سے دفاع کرنا ان کے لئے ناممکن ہو جائے تو پھر وہ گھنے جنگلوں میں بھاگ کر پناہ لے لیتے ہیں۔

وہ خاص شہر کے جہاں ان قبائل کا حکمراں رہتا ہے وہ آوازس کہلاتا ہے۔ اس کے ارد گرد تو ٹھیک ہیں، مگر ان میں بنی جھونپڑیاں انتہائی بدنما اور غلیظ ہیں۔ آخرکار ان خطرناک راستوں سے گزر کر ہم "سوانا" پہنچے۔ جس وقت ہم یہاں تھے، اسی دن یعنی 31 جنوری کو رات کے گیارہ بجے چاند گرہن ہوا۔ اس کے دوسرے سال ہمیں پتہ چلا کہ پرتگال کا حکمراں ہنری، اسی دن اسی وقت اس جہان فانی سے گذرا تھا۔ اس عظیم حکمراں کی وفات اس کی پیدائش والے ہی دن ہوئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ چاند گرہن کی وجہ اس کی موت تھی۔ جہاں تک ہنری کے کردار کا تعلق ہے وہ ایک نیک اور پارسا شخص تھا۔ یہ چاند گرہن اس کی بھی عکاسی کرتا ہے کہ اس کی موت پر پرتگالی قوم کس رنج و غم، اور اندوہ سے گذری۔

سورنا سے تھوڑی دیر چل کر نربدا دریا پار کیا گیا۔ یہ دریا احمد آباد سے ہوتا ہوا بڑودا تک جاتا ہے۔ بارشوں کے موسم میں دریا میں گہرائی اور چوڑائی آجاتی ہے اس لیے اسے کشتی کے ذریعہ یا پل کے ذریعہ پار کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کافی تعداد میں مچھلیاں ہیں۔ اس کا پانی اس قدر صاف و شفاف ہے کہ پانی میں تیرتی مچھلیاں، کچھوے، اور پتھر صاف نظر آتے ہیں۔ اس کے کنارے کے دونوں جانب نرسل کی جھاڑیاں ہیں۔ جہاں پر صحت کے لئے مفید کئی قسم کی جڑی بوٹیاں بھی ملتی ہیں۔

منڈو

نربدا کو پار کرنے کے دو دن بعد ہم منڈو پہنچے جو کہ ماضی میں اپنی خوش حالی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کے گرد بڑی شاندار فصیلیں ہیں۔ اس کی پرانی عمارتیں اب تک معہ اپنی عظمت کے کھڑی ہیں۔ اگرچہ ان میں کچھ ملبہ کا ڈھیر ہو رہی ہیں۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر تعمیر ہوا ہے۔ اس کا دفاع گھاٹیوں اور ڈھلوان کی چٹانوں سے ہوتا ہے۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ انتہائی تنگ ہے۔ یہاں پانی کی کبھی کمی نہیں ہوئی کیونکہ شہر کے اندر بے شمار تالاب چشمے، اور کنویں ہیں جن میں میٹھا پانی بہتات سے رہتا ہے۔ وہ تنگ راستہ جو شہر کی طرف آتا ہے وہاں پانچ دیواریں ایک کے بعد ایک ہیں۔ آخری دیوار ڈھلوان ہے۔ اس لئے یہ شہر ناقابل تسخیر ہے۔ اس کو اسی صورت میں فتح کیا جا

سکتا ہے کہ اگر یہاں کھانے کی کمی ہو جائے۔ کوئی بھی یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس شہر کو کب اور کس نے آباد کیا تھا؟ کیونکہ مسلمان جو کہ فطرتاً وحشی لوگ ہیں' ان سے تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اس شہر کی تعمیر میں حصہ لیا ہو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس شہر کے بانی مغل تھے۔ جو کہ ان مغلوں سے علیحدہ تھے کہ جو ہمارے زمانہ میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آج سے دو سو سال قبل' مغلوں نے وسیع علاقوں کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑا اور ہندوستان پر حملہ کیا۔ یہ لوگ' آخر میں منڈو میں آباد ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس جگہ کا آسانی سے دفاع کر سکتے تھے اور دوسرے یہ کہ یہ جگہ بڑی زرخیز تھی۔ آگے چل کر ان مغلوں کو پٹھانوں نے پے در پے شکستیں دیں۔ انہوں نے بلاخر منڈو میں پناہ لی اور سات سال تک لڑنے کے بعد وہ پٹھانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔ پٹھان حکمران نے قلعہ کے محاصرے کے دوران اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اسے اس وقت تک فتح نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جب تک اس کے رہنے والے بھوک سے مجبور نہیں ہوں گے۔ اس لئے اس نے معماروں لوہاروں اور مزدوروں کو بلایا اور حکم دیا کہ اس قلعہ کے سامنے ایک اور شہر بسایا جائے تاکہ وہ معہ فوج کے وہاں قیام کرے۔ اس نے سختی سے حکم دیا کہ قلعہ میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ جانے پائے۔ اس حکمت عملی کے بعد وہ اس شہر پر قبضہ کر سکا۔ قبضہ کے بعد اس نے حکم دیا کہ شہر کو مسمار کر دیا جائے۔

شہر کے اندر ایک بڑے سائز کی توپ ہے یہاں کے باشندے کسی توہم پرستی کے تحت اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یہاں پر ایک محل بھی ہے کہ جو سابق حکمرانوں کی رہائش کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اب اس میں صوبہ کا گورنر قیام کرتا ہے۔ یہاں پر ایک عالی شان فصیلوں میں گھرا ہوا قلعہ ہے اور ایک نامکمل مقبرہ ہے جو میرے خیال میں اب کبھی پورا نہیں ہو گا۔ لیکن اس کے طرز تعمیر کے نمونہ کی غرض سے اسے دیکھنا چاہیے۔ اس مقبرے کے سامنے ایک اور عمارت ہے جو کہ مقبرہ کی طرح خوبصورت اور قیمتی ہے۔ اس مقبرے میں تین مغل بادشاہ دفن ہیں' ان میں ایک قبر ان کے اتالیق کی بھی ہے۔ ان تینوں قبروں کے سامنے تین چمکدار تخت رکھے ہوئے ہیں۔ جو کہ ان تین بادشاہوں کے تھے۔ ہندوستان میں تخت بادشاہت کی علامت ہے جیسا کہ

ہمارے ہاں تاج اور عصا ہیں۔

یہاں پر عیسائی طرز کا ایک مندر بھی ہے۔ اس میں نیچے کی جانب دو محرابیں ہیں۔ کہ جن میں شاید آلٹر رکھے جاتے ہیں۔ شہر سے باہر چھ میل کی لمبائی میں ایک قبرستان ہے۔ شاید مبالغہ معلوم ہو' مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے مردوں کو شاندار طریقے سے دفناتے ہیں اور ان کی قبروں پر عالیشان مقبرے تعمیر کرتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ مرنے کے بعد پیغمبر خدا محمدؐ کی امت میں ہونے کی وجہ سے یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ وہ اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں ان کے مرنے کے بعد ان کی یاد میں یہ مقبرے بناتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ مسلمان عقل مند لوگ ہیں کہ اپنے بزرگوں سے عقیدت رکھتے ہیں۔ ہماری طرح کے نہیں کہ جو اپنے لوگوں کو بھول جاتے ہیں۔

اجین

منڈو کے بعد جماعت کا دوسرے پڑاؤ اجین تھا جو کہ ماچھی واڑہ دریا کے قریب ایک شہر ہے۔ اس شہر کے بانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے بکرماجیت نے آباد کیا تھا۔ اسے لوگ دیوتا مانتے ہیں اور تمام آلات و اوزار کا موجد گردانتے ہیں۔ یہ غلط فہمی لوگوں میں شاید اس لئے پیدا ہوئی ہو کہ بکرماجیت کو ان اشیاء اور فنی پیشوں سے دلچسپی ہو کیونکہ وہ بڑا طاقت ور اور دولت مند بادشاہ تھا اور اس نے بہت سی چیزوں کے ایسے نمونہ چھوڑے کہ جو آج تک اس کی یاد کو باقی رکھتے ہیں خاص طور سے اس کے تعمیر کئے ہوئے لاتعداد مندر۔ اگر کسی کو پورے ہندوستان میں ایک خاص طرز کا بنا ہوا کوئی قدیم مندر نظر آئے اور لوگوں سے یہ سوال کیا جائے کہ اسے کس نے بنایا ہے تو ہر شخص بلاجھجک جواب دے گا کہ بکرماجیت نے۔ اگر کسی معمار یا بڑھئی سے یہ پوچھا جائے کہ وہ کس دیوتا کی پوجا کرتا ہے تو وہ اس کے جواب میں کہے گا بکرماجیت۔ بکرماجیت نامی بادشاہ کا طرز تعمیر اپنے اندر ایک انوکھا پن رکھتا ہے جو کہ آنکھوں کے لیے انتہائی دل فریب ہے' اگرچہ یہ رومی شان و شوکت کے مقابلہ میں بہت کم تر ہے۔

جس وقت پارٹی یہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ ہندو ایک بوڑھے آدمی کہ جسے وہ دیوتا کا درجہ دیتے تھے کی چتا لے کر شہر سے گزرے اس کی چتا پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے'

اور وہ سونے کے کام سے آراستہ تھی۔ جنازہ کا جلوس رات کے وقت روانہ ہوا۔ جلوس بڑا منظم تھا' اور اس کے راستہ کو اس قدر صاف ستھرا کیا گیا تھا کہ کوئی تنکہ یا پتہ بھی پڑا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے مردہ جسم کے ارد گرد عود لوبان اور خوشبودار جڑی بوٹیاں جل رہی تھیں کہ جن سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ کتنی عجیب اور حیرت کی بات ہے کہ یہ کافر لوگ اپنے بزرگوں کو جن کو وہ غلطی سے اولیاء کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کی اس قدر عزت و احترام کرتے ہیں۔ جب کہ عیسائی عیدہ رکھنے والے ناشگرگزار اپنے اولیاء کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتے ہیں۔

اجین سے سارنگ پور دو دن کے سفر کے بعد پہنچے۔ یہ شہر صوبہ کے گورنر کا مرکز ہے۔ تین دن بعد جماعت نے دریائے پربتی کو پار کیا اور پیپل دھر کے مقام تک آئے۔

سرونج

ہمارا دوسرا پڑاؤ سرونج تھا۔ اس شہر کی آب و ہوا' انتہائی مضر صحت ہے اس کی وجہ مکانوں کے کونوں کھدروں اور تاریک جگہوں پر ہر قسم کے زہریلے کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں۔ رات کو بستر میں بچھو آجاتے ہیں کہ جو اگر کاٹ کھائیں تو اس سے اذیت ناک تکلیف ہوتی ہے۔ شہر کے قریب دلدلی علاقے میں خاص قسم کے گرگٹ ہوتے ہیں ویسے یہ دلدلی علاقے کے علاوہ خشک جگہوں پر بھی ہوتے ہیں۔ ان کے کاٹنے کا اثر مہلک ہوتا ہے یہاں کی جھاڑیوں میں ایک خاص قسم کا بڑا گرگٹ ہوتا ہے جو کہ اپنی آنکھوں کے ذریعہ دیکھنے والے کو مار ڈالتا ہے۔ اس کے جسم کا درمیان والا حصہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے' باقی جسم اورنج رنگ کا جو بھی اس کو' اس کے شوخ رنگوں کی وجہ سے دیکھتا ہے' وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ خدا کی ذات کا کرشمہ ہے کہ اگر کوئی اس مخلوق کو پہلے دیکھتا ہے تو یہ فوراً" خوف زدہ ہو کر خود کو چھپا لیتی ہے۔ لیکن اگر کوئی بدقسمتی سے بے خبری میں اس کے برخلاف کر بیٹھے اور یہ مخلوق اسے پہلے دیکھ لے تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ بدقسمت شخص موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ یہ بات یہاں کے باشندوں نے مجھے بتائی۔ ہمارا ایک فادر انجانے میں اس خطرہ

سے دوچار ہوتے ہوتے بچا' اس نے جب اس خوبصورت مخلوق کو دیکھا تو وہ اس کے خوبصورت رنگوں کی وجہ سے اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا اور اس طرح پیچھے پیچھے چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ جب واپس آکر اس نے شہر کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس قسم کا گرگٹ تھا کہ جو اس نے دیکھا تو لوگوں کو اس پر حیرانی ہوئی کہ وہ کس طرح سے اس کی نگاہوں کے زہر سے زندہ بچ کر آگیا۔ بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ یہ گرگٹ کی ایک قسم ہے کہ جو ہوا پر زندہ رہتی ہے اور خود کو چھپانے کے لیے ہر قسم کے رنگ تبدیل کرتی رہتی ہے۔

اس شہر کے غریب لوگ گول شکل کی بنی ہوئی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ ہم نے اب تک کسی علاقے میں اس قدر بری حالت کی جھونپڑیاں نہیں دیکھی ہیں۔ ان کا پیشہ زراعت ہے' مگر یہاں کی زمین بنجر اور کاشت کے لئے خراب ہے۔ ان کے کھیت چاروں طرف سے چٹانوں میں گھرے ہوئے ہیں' ان میں سے کیڑے مکوڑے کہ جن میں بچھو شامل ہیں بڑی تعداد میں شہر میں آتے ہیں۔

ناروار

تین دن کے تکلیف دہ سفر کے بعد ہماری پارٹی سرونج سے ناروار پہنچی۔ جب ہم سیری کے قصبے سے گزرے تو اس کے بعد کا علاقہ غیر آباد تھا۔ جہاں تنگ گھاٹیاں اور چشمے تھے۔ یہاں کے باشندوں کا پیشہ قزاقی ہے۔ یہ قافلوں پر اپنی کمین گاہوں سے حملہ کرتے ہیں اور ان کا سامان لوٹ لیتے ہیں۔

ناروار کا شہر پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ اور اس پہاڑ کے اوپر قلعہ ہے۔ یہاں بادوباراں کے اس قدر تیز طوفان آتے ہیں کہ جن کی وجہ سے مکان کی چھتیں برقرار نہیں رہ سکتیں ہیں۔ اسی لیے خدا نے انہیں اس علاقہ میں سنگ مرمر کی بڑی چٹانوں سے نوازا ہے جو ان کی چھتوں میں کام آتا ہے۔ جب کہ ہماری پارٹی 15 فروری کو اس شہر میں تھی' اسی دوران محرم کا تہوار آگیا۔ اور اسی وقت ہندوؤں نے بھی اپنا ہولی کا تہوار منایا۔ محرم کے دوران مسلمان 9 دن تک روزے رکھتے ہیں۔ اور کھانے میں صرف دال کھاتے ہیں۔

ہندوؤں کا تہوار ہولی بھی اپنی وحشیانہ حرکتوں کی وجہ سے ان کی پس ماندگی ظاہر کرتا ہے۔ پندرہ دن تک انہیں اس بات کی چھوٹ ہوتی ہے کہ وہ خود پر بھی ریت ڈالیں اور دوسروں پر بھی وہ کیچڑ سے نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے جسموں کو بھی گندہ کرتے ہیں۔ وہ اس موقع پر سرخ رنگ بھی پھینکتے ہیں۔ پندرہ دن تک ان حرکتوں میں ملوث رہنے کے بعد آخری دن اور زیادہ شرم ناک اور قابل نفرت حرکت کرتے ہیں۔ اس دن وہ ایک درخت کو دیوی ماتا سے منسوب کرتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں۔ اس قسم کے توہمات انتہائی فضول اور بیکار ہیں۔ بہرحال وہ اس درخت کے ارد گرد لکڑیاں جمع کر کے جلاتے ہیں۔ اور اس الاؤ کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

گوالیار

دو دن کے سفر کے بعد پارٹی گوالیار پہنچی۔ جہاں پر پہاڑی کے اوپر ایک مضبوط قلعہ آسمان سے باتیں کرتا نظر آتا ہے۔ قلعہ ہی میں شاہی محل بھی ہے شہر پہاڑی کے دامن میں آباد ہے۔ قلعہ تک جانے کے لئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ بھی پیچیدہ اور مشکل۔ قلعہ کے دروازہ کے سامنے ہاتھی کا بہت بڑا مجسمہ ہے۔ پہاڑی کی ڈھلوان پر مندر اور مکانات ہیں۔ فادرز یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مندر میں تیرہ چھوٹے چھوٹے مجسمے طاقوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان میں بیچ والا مجسمہ حضرت عیسیٰؑ کا تھا' جب کہ چھ اس کے دائیں و بائیں تھے چھ چھ دوسرے دیوتاؤں کے مجسمے تھے' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بقایا بارہ ان کے حواریوں کے ہیں۔ لیکن کہا نہیں جا سکتا کہ درحقیقت یہ مجسمے کن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان میں عیسائیت کی نشانیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ بہرحال یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ انہیں مسلمانوں نے یہاں نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ بتوں سے کوئی عقیدت نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ انہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور موقع ملے تو انہیں توڑ بھی دیتے ہیں۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ آج سے کئی سو سال پہلے اس علاقے میں عیسائی آباد ہوں گے۔ جنہیں مسلمانوں نے مختلف جنگوں میں شکست دی ہو گی اور انہیں اس طرح تباہ و برباد کیا ہو گا کہ آج یہاں کے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس سے سبق سیکھنا چاہئے کہ کس

طرح انہیں ہر جگہ بیوقوف اور جاہل سمجھا جاتا ہے' کیونکہ وہ شعبدہ بازوں کے دھوکے میں آکر ان کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کی بات ہے کہ اس شہر میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام بابا غفور تھا کہ جس کو شراب نوشی کی عادت ہو گئی تھی۔ اس نے ایک نئی شراب کشید کرنا شروع کی تھی جسے وہ افیم کے ڈوڈوں میں بھگو کر تیار کرتا تھا۔ اس کی تعلیمات تھیں کہ انسان اس وقت خوش رہ سکتا ہے کہ جب وہ اپنے تمام جذبات کو ختم کر دے' اس وقت جسمانی و روحانی طور پر اسے سکون مل جائے گا۔ اس حالت کو حاصل کرنے کے لئے اس نے افیم کے استعمال کو سب سے اچھا ذریعہ سمجھا' یہ خیال کئے بغیر کہ جو اس نشہ کا عادی ہو جاتا ہے اس کی جلدی موت بھی لازمی ہو جاتی ہے۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے اس نے بھنگ کا استعمال بھی شروع کیا۔ اس کے مرید نہ تو گوشت کھاتے ہیں۔ نہ پیاز اور نہ لہسن۔ وہ پھلوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ انہیں اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ کسی قسم کا تیل بھی استعمال نہ کریں۔ کیونکہ یہ افیم کے ستعمال کے بعد مہلک ہوتا ہے۔ وہ دال یا ہر قسم کی مٹھائی کھاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنا سر اپنی ٹانگوں میں رکھ کر گہری نیند سو جاتے ہیں۔

خیال تو یہ ہوتا ہے کہ اس طرح سونے اور وقت گذارنے سے بابا غفور کو افسوس ہوتا ہو گا' لیکن ایسا نہیں ہے جبکہ اسے اپنے آپ پر اعتماد ہے کہ اس کے اس عمل کو تعریف کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی اس بات میں صداقت بھی ہے کیونکہ لوگ اس کے عمل کو قابل تقلید سمجھتے ہیں۔ بھنگ کے نشہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان کے اندر تمام جذبات کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے آج اس شخص سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے ایک عالی شان مقبرہ تعمیر ہوا ہے۔ تقریباً" اس کے تیس مرید ہر وقت اس کی قبر کی دیکھ بھال پر رہتے ہیں یا یہ کہنا مناسب ہو گا کہ وہ بغیر کسی فکر کے ہمیشہ نشہ میں غرق رہتے ہیں۔ اس وقت اس کے ہزاروں کی تعداد میں چاہنے والے ہیں۔ ان میں اس کے امراء بھی ہیں اور خود جلال الدین اکبر بادشاہ بھی ہے۔

گوالیار چھوڑنے کے بعد' دریائے چنبل سے کہ جو دھولپور کے پاس ہے' اس کے کنارے پر مقیم ہوئے۔ یہ مالوہ اور ہندوستان کے درمیان سرحد ہے دھولپور کو سفید شہر

کہنا چاہیے۔ یہاں سے ہمارا قافلہ آگرہ ہوتے ہوئے فتح پور سیکری گیا۔

اس سفر کے دوران ایک تو ہم نے فطرت کے نظاروں یعنی پہاڑوں اور دریاؤں کو دیکھا' دوسرے اس کا مشاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبہ نے کس طرح اس علاقے کے تمام بتوں کو توڑ دیا۔ جو کہ مندروں میں رکھے ہوئے تھے اور لاتعدد تھے۔ لیکن دوسری طرف ان کی بے توجہی اور غفلت کی وجہ سے ہندوؤں کی ناپاک رسوم جاری ہیں۔ جن میں کھلے عام خوشبودار جڑی بوٹیاں تیل اور دیگر خوشبوؤں کو دیوی دیوتاؤں پر ڈالنا زمین پر پھولوں کی پتیاں پھینکنا اور جہاں بھی کوئی مندر یا بت ہو اس پر ہار چڑھانا شامل ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہندوؤں کے مندروں کی جگہ اپنے اولیاؤں کے مقبرے تعمیر کرنا کہ جہاں ان کی قبروں کی پوجا ہوتی ہے' اور انہیں پہنچا ہوا بزرگ مانا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر فادرز کو ان کی حالت زار پر اس قدر ترس آیا کہ صدمہ سے اکثر ان کے آنسو نکل آئے کہ یہ لوگ اپنی روحوں کو گناہوں سے آلودہ کرتے ہوئے نیکیوں کی بجائے برائیوں' کرامات کی جگہ جرائم اور اولیاء کی جگہ دھوکہ بازوں کا احترام کر رہے ہیں۔

فتح پور

جب فادرز نے دور سے فتح پور سیکری کے شہر کو دیکھا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جو انہیں بحفاظت یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد انہوں نے دلچسپی کے ساتھ اس خوبصورت اور شاندار شہر کو دیکھنا شروع کیا جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو اپنے لباس کی وجہ سے تمام لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ ہر شخص رک کر حیرانی سے دیکھتا تھا کہ یہ غیر مسلح' کالے لبادوں عجیب و غریب ٹوپیوں' شیو کئے ہوئے چہروں اور منڈے ہوئے سروں والے عجیب و غریب لوگ کون ہیں؟

اکبر سے پہلی ملاقات

آخر کار ان لوگوں کو بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا' اس نے تخت پر بیٹھے ہوئے انہیں

دیکھا اور پھر قریب آنے کو کہا۔ ابتدائی گفتگو کے طور پر اس نے ان سے چند سوالات کئے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک اٹلس پیش کی کہ جو گوا کے آرک بشپ نے انہیں تحفہ کے لئے دی تھی۔ یہ تحفہ اس نے خوشی سے قبول کیا۔ وہ انہیں دیکھ کر بڑا خوش ہوا' لیکن ایسا محسوس ہوا کہ اس کے خوش آمدیدی جملوں میں گرم جوشی نہیں تھی۔ ملاقات کے کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا' شاید اس کی ایک وجہ تو یہ ہو کہ وہ اپنے دلی جذبات ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور شاید اس طرح سے وہ اپنے وقار کو باقی رکھنا چاہتا تھا۔ جب وہ محل کے اندر تھا تو اس نے حکم دیا کہ ہمیں وہاں لایا جائے' تاکہ وہ انہیں اپنے محل کی بیگمات کو دکھائے۔ اس کے بعد وہ انہیں محل کے اس حصہ میں لے گیا کہ جو دولت خانہ کہلاتی ہے۔ یہاں اس نے پرتگیزی لباس زیب تن کیا کہ جو سنہری لبادے پر مشتمل تھا اور جس پر سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے لڑکوں کو بھی حکم دیا کہ وہ یہ لباس معہ پرتگیزی ہیٹ کے پہنیں۔ اس نے یہ اپنے مہمانوں کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ مہمانوں کو 800 اشرفیاں بطور تحفہ دی جائیں' اس پر فادرز نے کہا کہ وہ یہاں پیسوں کی خاطر نہیں آئے ہیں۔ اگرچہ اس نے انہیں یہ رقم لینے کے لئے آمادہ کرنے کی بڑی کوشش کی۔ جب انہوں نے مسلسل انکار کیا تو اس نے ان کے اس جذبہ کی تعریف کی اور حکم دیا کہ اس رقم کو طاورس کے ملازموں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ محل میں چلا گیا۔

فادرز بادشاہ کے اس رویہ سے بے انتہا مسرور ہوئے اور اسی خوشی کے عالم میں وہ اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے۔ انہوں نے بادشاہ کے انداز سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ بہت جلد اپنا مذہب تبدیل کرے گا اور حضرت عیسیٰؑ کے سچے مذہب میں داخل ہو جائے گا۔

فادر پیرارا سے ملاقات

دوسرے دن ہمیں پادری پیرارا نے کھانے پر بلایا' یہ پہلے ہی سے بادشاہ کے دربار میں تھا' جیسا کہ ہم ابتداء میں ذکر کر چکے ہیں۔ چونکہ یہ لینٹ کا تہوار تھا' اس لئے کھانا بہت سادہ تھا' یعنی کھانے میں صرف مچھلی تھی۔ کھانے کے بعد ہم نے اپنے میزبان سے معلومات حاصل کیں کہ عیسائیت کے بارے میں بادشاہ کا رویہ کیسا ہے اور وہ اس

بارے میں کیا سوچتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ بادشاہ حضرت مریم و عیسیٰؑ کے بارے میں احترام اور عزت کے جذبات رکھتا ہے اور وہ دن دور نہیں،کہ وہ خدا کی اس نعمت سے زیادہ عرصہ محروم رہے۔ فادر پیرارا نے اسے بائبل کے جو حصے سنائے وہ ان کو سن کر نہ صرف متاثر ہوا بلکہ ان کی صداقت کو تسلیم بھی کیا۔ وہ یہ سن کر حیران ہوا کہ عیسائیت میں عفت و عصمت پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ اس میں ایک سے زیادہ شادی کی ممانعت ہے۔ اور پادریوں کے لئے کنوارا رہنا لازمی ہے۔ لیکن بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ کیا ہے؟ اور یہ کہ یہ سب کچھ انتہائی پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے کہ خدا نے کنواری سے بچہ پیدا کیا' جو صلیب پر یہودیوں کی سازش سے قتل ہوا۔ وہ شاید اس عقیدہ کو اس وقت سمجھ سکے اگر اس کو یقین دلایا جائے کہ بائبل خدا کی جانب سے اتری ہوئی کتاب ہے۔ وہ بڑے غور سے حضرت عیسیٰؑ کے معجزوں کے بارے میں سنتا ہے اور ان پر یقین بھی کرتا ہے۔ اس کے کھانے کے کمرے میں پیغمبروں کی تصاویر ہیں۔ جن میں حضرت مریم و عیسیٰؑ کی بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ اس پادری سے گفتگو کے بعد مشن کے لوگوں کو خوشی ہوئی اور بادشاہ کے رجحانات کے بارے میں معلوم ہوا اور ان کیلئے یہ آسان ہو گیا کہ وہ کس طرح سے اپنی حکمت عملی کو تشکیل دیں۔

فادرز کے فتح پور میں آنے سے پہلے جس شخص نے بادشاہ کو عیسائیت کے بارے میں بتایا اور تبلیغ کی تھی اس کا نام ایجی ڈیس تھا۔ لیکن وہ اپنی تبلیغ کو اس لئے موثر نہیں بنا سکا کہ اس کا ترجمان اس کے صحیح مفہوم کو بیان کرنے سے قاصر رہا۔ اس نے یہ بھی پیش کش کی کہ وہ اپنے مذہب کی صداقت کو ظاہر کرنے کیلئے آگ میں سے گزرنے کو تیار ہے تاکہ مذہب کی سچائی بحث و مباحثہ کی بجائے اس عمل سے سامنے آجائے۔

فتح پور کا حال

فتح پور کا شہر نیا تعمیر ہوا ہے۔ اکبر نے اس کو گجرات کی فتح کے بعد بطور یادگار تعمیر کرایا ہے۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس لیے اس کے ہر طرف چٹانیں ہی چٹانیں

ہیں۔ ارد گرد کا ماحول دلکش نہیں ہے۔ اس کے قریب ہی میں پرانا سیکری ہے۔ نو برس کے عرصہ میں نیا شہر کافی پھیلا ہے اور اس کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ کیونکہ بادشاہ اور اس کے امراء نے یہاں اپنی رہائش کے لئے بڑے بڑے مکانات و حویلیاں تعمیر کرائی ہیں۔

فتح پور کی سب سے ممتاز عمارت بادشاہ کا دیوان عام ہے جو کہ بہت وسیع اور خوبصورت ہے۔ یہاں سے پورے شہر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسری عمارت یہاں ایسی ہے کہ جو محرابوں کے سہارے کھڑی ہے اور اس کے چاروں طرف کشادہ صحن ہے۔ تیسری میدان یا سرکس ہے کہ جہاں ہاتھیوں کی لڑائی ہوتی ہے' یہاں شمشیر زنی کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ اور پولو بھی کھیلی جاتی ہے چوتھی اہم بات یہاں کے غسل خانے ہیں پانچویں بازار جو کہ تقریباً" آدھے میل میں پھیلا ہوا ہے اور یہاں پر ہر قسم کی اشیاء بہتات کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہاں پر لوگوں کا اس قدر مجمع رہتا ہے کہ ہر کوئی چلتے ہوئے شانہ بشانہ چلتا ہے۔

شہر کو پانی کی فراہمی کے لئے ایک بڑا حوض تعمیر کیا گیا ہے کہ جو تقریباً" دو میل لمبا اور آدھا میل چوڑا ہو گا۔ تعمیر کا کام بادشاہ کی نگرانی اور اس کی ہدایات کے مطابق ہوا ہے۔ حوض میں بارش کے پانی کو محفوظ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ پانی سے معمور رہتا ہے۔ اس کی وجہ سے شہر کی آب و ہوا بھی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب سورج ڈھلتا ہے تو ہوا حوض پر سے ہوتی گذتی ہے جو اس کو تازہ اور خوشگوار کر دیتی ہے۔ چھٹیوں کے دنوں میں بادشاہ بطور تفریح یہاں آتا ہے اور اس کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

فتح پور سیکری کے دوسرے قابل ذکر پہلوؤں کو چھوڑ کر میں قلعہ کے بارے میں بتانا چاہوں گا کہ جو دو میل کے رقبہ میں ہے اور جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر برج بنے ہوئے ہیں۔ اس کے صرف چار دروازے ہیں جن کے نام ہیں' آگرہ دروازہ اجمیر دروازہ' دھولپور دروازہ اور سرکس دروازہ۔ آخری دروازہ اس لئے اہم ہے کیونکہ جانوروں کی لڑائی دیکھنے کے لئے بادشاہ اسی دروازے سے آتا ہے۔ اس دروازہ پر ہاتھویں کے دو مجسمے دونوں جانب نصب ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازے

کی حفاظت کر رہے ہیں یہ مجسمے اس قدر عمدہ اور اصل کے قریب ہیں کہ دھوکہ ہوتا ہے کہ انہیں کسی دیوتا نے بنایا ہے۔ میدان کے قریب ہی ایک مینار ہے کہ جس سے فاصلہ کا تعین ہوتا ہے اس قسم کے مینار آگرہ اور اجمیر کے راستوں میں جگہ جگہ بنے ہوئے ہیں۔

اکبر کی آگرہ سے فتح پور سیکری آنے کی وجہ ایک درویش تھا کہ جو یہاں ایک پہاڑی پر رہتا تھا' اس کی قربت کی خاطر بادشاہ نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا۔

آگرہ

آگرہ ایک شاندار شہر ہے' اس کی یہ خوبی اس کے سائز اور اس کی قدامت کی وجہ سے ہے۔ یہ دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ اسی شہر میں اکبر کی پرورش ہوئی اور وہ بادشاہ بنا۔ اس کے باپ ہمایوں کی افسوس ناک موت زینہ سے اترتے ہوئے ہوئی تھی۔ اسے علم و ادب سے بڑی دلچسپی تھی۔ اور وہ علماء و ادباء کا سرپرست تھا۔ اسے جنگ و جدل سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے برعکس جلال الدین اکبر جو کہ پڑھا لکھا نہیں ہے' اسے جنگ سے دلچسپی ہے اور وہ بہادری اور فن ادب میں یکتا ہے۔ جب وہ بادشاہ بنا تو اس نے حکومت کا مرکز دہلی کے بجائے آگرہ کر دیا اور یہاں اپنی رہائش کے لئے قلعہ اور محل تعمیر کرایا جو کہ بذات خود ایک شہر ہے۔ کیونکہ قلعہ کے اندر ہی اس کے امراء کے محلات اسلحہ خانہ' بارود خانہ اور گھڑ سواروں کے گھوڑوں کے لئے اصطبل ہیں۔ اس کے علاوہ جڑی بوٹیاں بیچنے والوں کی دوکانیں ہیں۔ دوسرے اہل حرفہ بھی یہاں موجود رہتے ہیں۔ ان عمارتوں میں پتھروں کو ایک دوسرے سے اس قدر خوبصورتی سے جوڑا گیا ہے کہ اس میں کوئی نشان تک نظر نہیں آتا' اگرچہ ان کو جوڑنے کے لئے چونے کا قطعی استعمال نہیں ہوا ہے۔ ان پتھروں کا رنگ سرخ ہے' رنگ کی ہم آہنگی کی وجہ سے بھی دیکھنے والے پر ایک عجیب تاثر طاری ہوتا ہے۔ دروازے کے سامنے دو راجاؤں کے مجسمے ہیں۔ جنہیں جلال الدین نے بذات خود گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ یہ دونوں پورے سائز کے ہاتھیوں پر سوار ہیں' اسی طرح سے کہ جیسے یہ اپنی زندگی میں ان پر سواری کرتے تھے۔ یہ مجسمے نہ صرف بادشاہ کی جرات کی

یاد دلاتے ہیں بلکہ اس کی فوجی فتوحات کی بھی نشانی ہیں۔

جیسا کہ بادشاہ چاہتا تھا' اگر ہر چیز اسی طرح سے ہوتی تو آج آگرہ بادشاہ کی دانشمندی کی ایک عمدہ یادگار ہوتا کیونکہ اسے اس علاقے کے دوسرے تمام شہروں سے اپنی آب و ہوا' زرخیزی' دریا' خوبصورت باغات' اس کی شہرت جو دنیا میں ہے' اور اپنی وسعت کی وجہ سے فوقیت ہے۔ یہ شہر لمبائی میں چار میل اور چوڑائی میں دو میل ہے۔ انسانی ضروریات کی تمام اشیاء اس شہر میں دستیاب ہیں۔ انسانی ضروریات کی تمام اشیاء اس شہر میں دستیاب ہیں۔ نہ صرف یہ کہ یہاں مقامی چیزیں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ بلکہ جو اشیاء یورپ سے آتی ہیں۔ وہ بھی یہاں کی منڈیوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہاں پر بڑی تعداد میں دست کار و ہنرمند جیسے لوہار' سنار اور دوسرے اہل حرفہ موجود ہیں۔ موتی و ہیرے جواہرات بڑی مقدار میں مل جاتے ہیں۔ سونا اور چاندی بھی وافر مقدار میں ہے۔ ایران اور وسط ایشیا سے لائے ہوئے گھوڑے بھی یہاں فروخت ہوتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ہر قسم کی خرید و فروخت کی اشیاء یہاں بھری پڑی ہیں۔ اس لیے آگرہ میں کبھی کھانے پینے کی اشیاء کا قحط نہیں پڑا۔ چونکہ یہ شہر مرکز میں واقع ہے' اس لئے بادشاہ کو جہاں جانے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سمت میں آسانی سے چلا جاتا ہے یا اپنی رعایا اور سرکاری عہدیداروں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ لیکن جیسا کہ انسانی زندگی میں ہوتا ہے۔ واقعات اسے کہیں اور اس کی مرضی کے بغیر بہالیجاتے ہیں۔

جب آگرہ میں تعمیرات کا کام مکمل ہو گیا اور بادشاہ اپنے محل میں رہنے کے لئے چلا گیا' تو اس نے دیکھا کہ اس کا محل آسیب زدہ ہے۔ انہوں نے محل میں افراتفری مچا دی' ہر چیز کو توڑ دیا۔ عورتوں کو خوفزدہ کر دیا' لوگوں کو پتھر مارنے لگے' غرض ہر شخص کو انہوں نے پریشان کر کے رکھ دیا۔ بادشاہ شاید اس تکلیف کو بھی برداشت کر لیتا۔ مگر ہوا یہ کہ یہاں جو بھی اس کی اولاد ہوتی' وہ پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔ اس صورت حال سے پریشان ہو کر' اور یہ خیال کر کے کہ اگر اس کی اولاد نہیں رہی تو پھر اس کا جانشین کون ہو گا بادشاہ نے سیکری کے اس درویش سے رجوع کیا کہ جو یہاں پہاڑی پر رہتا تھا۔ اور اس کو بتایا کہ وہ کس طرح آفات و وباؤں میں گھرا ہوا ہے۔ اس درویش نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً" آگرہ سے سیکری آجائے۔ بادشاہ نے فوراً" اس کے حکم

کی تعمیل کی اور اپنی رہائش کے لئے ابتداء میں ایک چھوٹی سی حویلی تعمیر کرائی جو کہ آگے چل کر شاندار محل میں تبدیل ہو گئی۔

بائبل کا تحفہ

جب فادرز نے ایک طویل سفر کے بعد خود کو تازہ دم کر لیا' تو انہیں بادشاہ نے پھر اپنے پاس بلایا۔ اس بار انہوں نے تیاری کی تاکہ وہ اپنے اس کام کی ابتداء کریں کہ جس کے لئے انہوں نے یہ سفر کیا ہے۔ لہٰذا 3 مارچ کو وہ اپنے ساتھ بائبل لے کر گئے کہ جو چار زبانوں میں لکھی ہوئی تھی اور جس کی سات جلدوں میں جلد بندی کی گئی تھی۔ بادشاہ نے اپنے امراء کی موجودگی میں نہ صرف بائبل کو بوسہ دیا' بلکہ احتراماً اسے اپنے سر پر بھی رکھا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کس جلد میں حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی ہیں' جب اس کو وہ جلد بتائی گئی تو اس نے اور زیادہ عقیدت سے اسے چوما۔ اس کے بعد اس نے ان جلدوں کو ایک خوبصورت کتابوں کی الماری میں حفاظت سے رکھوا دیا۔ جو کہ ان کتابوں کے شایان تھی۔ یہ الماری اس کمرے میں رکھی تھی جہاں وہ اپنا فالتو وقت گزارتا تھا۔

مذہبی بحث و مباحثہ

اس کے بعد مذہبی بحث و مباحثے کا موقع دیا گیا۔ یہ مباحثہ رات میں ہوا' اس میں مختلف علماء اور مذہبی ماہرین موجود تھے۔ یہاں جو موضوعات زیر بحث آئے وہ ایسی کتابوں کی صداقت کے بارے میں تھے کہ جن پر عیسائی مذہب کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کے ان عقیدوں کے بارے میں کہ جن پر ان کا ایمان ہے۔ مسلمانوں نے اپنے عقائد میں قصے کہانیں' اور جھوٹ کو ملا دیا ہے۔ پادریوں کی جانب سے یہ دلیل دی گئی کہ بائبل کی صداقت کے بارے میں حضرت موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبر پیش گوئی کر چکے تھے۔ جب کہ مسلمان اپنی کتاب کے بارے میں ایسی کوئی دلیل نہیں لا سکتے ہیں۔ فادرز کی اس دلیل کا جواب مسلمان علماء میں سے کوئی بھی نہ دے سکا' اس وجہ سے وہ بے انتہا پریشان ہو

گئے اور جب انہوں نے بادشاہ کے چہرے کو دیکھا کہ جس سے ناراضگی ظاہر ہوتی تھی تو انہوں نے بحث کو ختم کر دیا اور خاموش ہو گئے۔

جب بحث ختم ہو گئی تو بادشاہ محفل سے اٹھ گیا اور اپنے ساتھ پادریوں کو بھی لے گیا اور ان سے کہنے لگا کہ تم نے اپنا مقدمہ بڑی خوبی سے پیش کیا جس سے میں بہت مطمئن ہوں' میں خوش ہوں کہ تمہارے مذہب میں اس قسم کے قوانین ہیں۔ لیکن میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی گفتگو اور عمل میں محتاط رہو' کیونکہ تمہارے مخالفین جذباتی لوگ ہیں۔ اب میں ان موضوعات پر مزید معلومات چاہتا ہوں: مثلاً خدا کس طرح سے ایک بھی ہے۔ اور تین (مثلث) بھی' اس کا بیٹا کس طرح سے ہو سکتا ہے۔ کنواری سے جو پیدا ہوا وہ تو انسان ہے۔ یہ تمام باتیں میرے لیے ناقابل فہم ہیں"۔

اس پر فادرز نے جواب دیا: آئندہ سے ہم مسلمان علماء سے گفتگو کرتے ہوئے آپ کی ہدایت کے مطابق احتیاط کریں گے۔ اس لیے نہیں کہ ہم ان سے خوفزدہ ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ ہم آپ کے وفادار ہیں۔ آپ نے جن باتوں کے متعلق وضاحت چاہی ہے' تو برائے مہربانی ان سوالات کے جوابات کے لیے آپ خدا سے روشنی طلب کریں جو کہ اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے اور اپنی روشنی سے ان کے دلوں کو منور کرتا ہے۔ لہٰذا آپ عاجزانہ طور پر اس کی تجلی کا انتظار کریں"۔

بادشاہ اس پر بھی سخت حیران ہوا کہ کتاب مقدس کئی زبانوں میں لکھی ہوئی ہے اور اس کے باوجود اس میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا ہے۔ اور ہر زبان میں اس کی سچائی اور صداقت کا اظہار ہے۔ دوسرے وہ اس بات پر متعجب تھا کہ فادرز قرآن کے لاطینی ترجمہ کے ذریعہ اس سے اسی قدر واقف تھے کہ جس قد مسلمان علماء کیونکہ یہ ترجمہ سینٹ برنارڈ نے بڑی محنت و احتیاط سے کیا تھا۔ اس وجہ سے مسلمان علماء کا موقف اپنے دفاع میں ایک نہیں تھا' بلکہ ان میں خود اختلافات تھے' اس وجہ سے بادشاہ ان سے سخت ناراض تھا۔

یہ وہ پہلا مباحثہ تھا کہ جس میں یہ سب کچھ ہوا۔ تین دن کے بعد ایک دوسرا مباحثہ ہوا۔ اس کا موضوع تھا کہ خدا کی برکات کو کیسے حاصل کیا جائے؟ اس میں اسلام

اور عیسائیت کے درمیان بہت سے تضادات سامنے آئے۔

کچھ دنوں بعد ایک تیسرا مباحثہ منعقد ہوا اس میں فادرز نے اپنے دلائل سے مسلمان علماء کو عاجز کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ عیسائیت ہی سچا اور الٰہی مذہب ہے۔ دوسری اور کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے مسلمان علماء نے کہا کہ سچائی کے لئے کوئی امتحان ہونا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ' یہ دیکھنے کے لئے کہ کون سی الٰہی کتاب سچی اور خدا کی جانب سے ہے' "آگ کا ایک الاؤ جلانا چاہیے اور اس میں تم میں سے کوئی بائبل اور ہم سے کوئی ایک قرآن لے کر گزرے' جو شخص بھی معہ اپنی مقدس کتاب کے زندہ و سلامت نکل آئے گا۔ اسے ہی سچا مانا جائے"۔

بادشاہ نے بھی پادریوں سے اس امتحان کے لئے کہا' مگر انہوں نے جواب دیا کہ انہیں عیسائیت کی صداقت کے لئے کسی ایسے امتحان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ وہ ان دلیلوں کو کافی سن چکا ہے' لہٰذا بحث ختم کی جائے۔ اس پر سب نے زور سے کہا کہ "بادشاہ پر سلامتی ہو" اور اس کے ساتھ ہی تیسرا مباحثہ بھی ختم ہو گیا۔

آزمائش کی تجویز

روڈولف جو کہ اس مشن کا سربراہ تھا' اس میں مذہبی جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ شدت سے ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ جب وہ عیسائیت کی خاطر اپنی جان قربان کر دے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی زندگی میں مذہبی احکامات پر پوری طرح سے عمل کرتا تھا۔ اس لئے جب مذہب کی سچائی اور اس کے لئے آزمائش کا سوال آیا تو وہ اس کے لئے تیار تھا۔ لیکن اسے اس طریقہ امتحان پر شبہ تھا' اسی لئے اس نے اس موقع پر اس کو قبول نہیں کیا' لیکن بعد میں یہ ثابت کرنے کی غرض سے کہ وہ کوئی بزدل نہیں ہے' اس نے بادشاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی۔ اس کی اس تجویز پر اس کے ساتھی اس کے ساتھ متفق تھے : اس نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اے بادشاہ! آپ کی خواہش ہے کہ ہم اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے امتحان دیں' اور آزمائش سے گذریں' ہمارا یہ مذہب ہم تک آباو و اجداد کے ذریعہ سے آیا ہے اور اس

کی سچائی پر ہمیں پورا یقین ہے کیونکہ ہم اسی ماحول میں پروان چڑھے ہیں۔ اس لئے ہماری اس کے ساتھ عقیدت، لگاؤ اور ایمان ہے۔ لہٰذا ہم انتہائی خوشی کے ساتھ خدا کے حفظ و امان میں اس بات کے لئے تیار ہیں کہ ایک نہیں بلکہ ہزاروں آگ کے الاؤ میں کود جائیں۔ اور نہ ہی ہم یہ امید کرتے ہیں اور نہ یہ ہماری خواہش ہے کہ ہم تباہی سے بچ جائیں۔ اگر ہم بھی اسی خدا کے بندے ہیں کہ جس نے تین یہودی بچوں کو دھکتی آگ سے بچایا تھا اور وہ آگ کے شعلوں سے بغیر جلے ہوئے محفوظ رہے تھے۔ تو ہم بھی اس سے یہی امید کرتے ہیں۔ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ہاتھی، شیر، چیتے، تیندے، بچھو اور دوسرے زہریلے کیڑے مکوڑوں سے ہم بالکل نہیں ڈرتے ہیں۔ چنانچہ جہاں پناہ اگر اس آزمائش کے ذریعہ مذہب کی سچائی دیکھنا چاہیں تو یہ الگ بات ہے۔ ورنہ آزمائش کے بغیر بھی یہ سچا مذہب ہے، اگر آپ آزمائش ہی چاہتے ہیں، تو پھر اس میں دیر نہ کریں، اور اس کا حکم دیں، ہم اس کے لئے اپنے ایک ساتھی کو بلاتے ہیں۔ کہ جو سخت بیمار ہے، مگر ہمیں امید ہے کہ وہ اس آزمائش کا سن کر فوراً صحت یاب ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس آزمائش کو اس لئے چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ آپ کوئی معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ کیا ہم خدا کے نزدیک اس قدر عزیز ہیں کہ اس کی وجہ سے ہم پر آگ کوئی اثر نہیں کرے گی۔ تو ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگرچہ خدا پر ہمارا ایمان ہے، لیکن ہم سے کئی بار غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ اور ہم خود کو گناہ گار بھی سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم یہ امید نہیں کرتے کہ ہم سے کوئی معجزہ سرزد ہوگا۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا خدا ہمیں عزیز رکھتا ہے یا وہ ہمیں اپنے راستہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے؟۔ اس کے علاوہ آگ کے ذریعہ اس بات کا امتحان لینا کہ کیا بائبل خدا کی جانب سے بھیجی ہوئی کتاب ہے اور کیا اس کو آگ میں لے جانے والا محفوظ رہے گا۔ جہاں پناہ کو معلوم ہے کہ یہ سب حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ کوئی آپ کو معجزہ کا متمنی کہے کہ جو سچائی کے لئے معجزہ کا خواہش مند ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں عیسیٰ نے کہا ہے کہ "گناہ گار اور مکار نسل ہی کسی نشان کو چاہتی ہے"۔ یہاں اس کا اشارہ یہودیوں کی طرف تھا۔ اس طرح جب ان گمراہ لوگوں نے اس کو کہا تھا کہ اگر تم خدا کے بیٹے ہو، تو وہ خود کو

آگ میں ڈال کر دکھاؤ' اس پر اس نے جواب دیا تھا کہ تم اپنے خدا کا کوئی امتحان نہیں لے سکو گے" جب ہیروڈ نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ کوئی معجزہ دکھائے تو اس نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اسے صلیب پر چڑھایا گیا اور یہودی اس سے معجزہ کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے رہے کہ' "اگر تم واقعی خدا کے بیٹے ہو تو صلیب سے نیچے اتر آؤ' ہم تم پر فوراً ایمان لے آئیں گے" اس وقت بھی اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے' وہ لوگ کہ اپنے ایمان اور عقیدہ کی خاطر تکلیف سہتے ہیں' انہیں ہم شہید کہتے ہیں۔ وہ ہم لوگوں میں سب سے اچھے ہیں۔ ان میں سے کئی کو سچائی کی وجہ سے زندہ بھی جلایا گیا۔ کتاب مقدس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ جب دشمنوں نے ہمارے چرچوں کو آگ لگائی' تو ان میں رکھی کتاب مقدس کو دشمنوں نے جلا دیا۔ اسی طرح مسجدوں میں رکھے ہوئے قرآن بھی آگ سے جلے۔ اس لئے آپ کو آزمائش کا ذریعہ بنانا نہ صرف شک و شبہ والی بات ہے' بلکہ یہ ایک غیر یقینی طریقہ کار ہے۔ لیکن اگر مسلمانوں کی اس تجویز کو مان لیا جائے اور آپ ہمیں اس آزمائش کے لئے کہیں' تو آپ مسلمانوں کو اس خطرہ سے ضرور آگاہ کریں' ہمیں یقین ہے کہ کوئی ایک مسلمان ایسا نہیں ہے کہ جس کا اپنے مذہب پر اس قدر پختہ ایمان ہو کہ وہ اس کے لئے اپنی جان دینے کو تیار ہو۔ یہ ان کی فطرت میں ہے کہ وہ معجزات کے طلب گار ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارا کوئی نیک آدمی اگر انہیں معجزہ دکھا دے تو یہ فوراً کہیں گے کہ یہ جادو و سحر ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی آگ سے سلامت نکل آئے گا تو یہ لوگ اسے ڈنڈوں اور نیزوں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے' اور آخر میں خدا کی جانب سے بھیجے ہوئے معجزوں سے انکار کر دیں گے۔ درحقیقت یہ آج سے چالیس سال پہلے انڈریاس اسپولیٹانس' جو کہ ایک خراسکن پادری تھا' اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر وہ آگ سے بغیر جلے زندہ نکل آئے تو وہ عیسائیت پر ایمان لے آئیں گے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ آگ کے درمیان چل رہا ہے۔ اور اپنی آنکھیں اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے' جس وقت وہاں قیدی عیسائی یہ سب دیکھ کر خوشی و مسرت سے تالیاں بجا رہے تھے' اور عام لوگ اس کو دیکھ کر حیران و ششدر تھے' اس وقت مسلمانوں کے راہنماؤں اور یہودیوں نے پتھروں کی بارش کر کے اینڈریاس کو مار دیا تاکہ یہ ثابت نہ ہو

کہ آگ نے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ اس کے تبرکات میں اس کے جسم کا گوشت اسی طرح سے تازہ اور جاندار تھا کہ جیسے صحت مند انسان کا ہوتا ہے۔ بعد میں اسے پرتگال لے جایا گیا تاکہ اسے آسٹریا کی ملکہ کیتھرینا کو دیا جائے۔

اس تقریر کو سن کر بادشاہ نے کہا "میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میں کوئی ایسا حکم دوں کہ جس سے تمہیں تکلیف ہو۔ مگر میرے دربار میں ایک مذہبی عالم ہے جو کہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ولی اللہ ہے۔ جب کہ وہ بہت سے جرائم میں ملوث ہے۔ اس نے قرآن شریف کی ایک نئی تفسیر بھی لکھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے سزا دوں لہٰذا اس سلسلہ میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے"۔

روڈلف نے جواب دیا کہ "اس سلسلہ میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ پادریوں کا کام نہیں ہے کہ کسی شخص کی موت میں مدد دیں یا ایسا کوئی کام کریں کہ جس کی وجہ سے کوئی موت کے منہ میں جائے۔ چاہے اس سلسلہ میں بادشاہ کی مرضی ہی کیوں نہ ہو۔"

اس پر بادشاہ نے کہا "میری کوئی خواہش نہیں کہ آپ آگ کی آزمائش سے گذریں، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ صرف یہ کہہ دیں کہ آپ اس کے لئے تیار ہیں"

"اے بادشاہ، ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں"

"اچھا تو آپ لوگ اس پر راضی ہو جائیں کہ میں یہ اعلان کروں کہ آپ آگ میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ میرے اس اعلان پر آپ خاموش رہیں" روڈولف نے کہا کہ "اے بادشاہ! اگر آپ یہ اعلان پبلک کے سامنے کریں گے تو ہم بھی اس پر مجبور ہوں گے کہ ان کے سامنے اعلان کرکے کہیں کہ ہم ایسا کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ اگر حقیقت میں یہ آدمی سزا کا مستحق ہے تو پھر کیا ضروری ہے۔ کہ اسے آگ میں جلانے کے لئے یہ حیلہ و فریب کا طریقہ اختیار کیا جائے؟" جن امراء نے روڈولف کی اس تقریر کو سنا، انہوں نے اس کے جذبہ اور سچائی کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے جوش سے تالیاں بجا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

اکبر سے خطاب

پادریوں نے بادشاہ کی اس بات کو فراموش نہیں کیا تھا کہ جب اس نے کہا تھا کہ اب مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے درباریوں کے سامنے اس کی وضاحت ضروری سمجھی اور بادشاہ کے سامنے یہ تجاویز رکھیں۔ وہ شخص کہ جو عیسائیت کے بارے میں مکمل طور پر اور تفصیل سے آگہی چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو معاملوں پر غور کرے۔ خود عیسیٰ نے کئی مرتبہ ان کو آزمایا ہے۔ جس شخص کا ذہن رموز الٰہی کو اپنی روح میں جذب کرنے پر تیار ہو تو اسے چاہیے کہ خدا کی جانب سے بھیجی ہوئی باران رحمت کو اپنے دل میں پوری طرح سے جذب کرلے۔ سب سے پہلے اس کو کوشش کرنی چاہیے کہ خود کو ان تمام گناہوں سے بچائے کہ جو اس کی روح کو خدا سے دور کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ نے کہا ہے کہ دانشمندی اس جسم میں داخل نہیں ہوتی ہے کہ جو گناہوں کی آماجگاہ ہوتا ہے۔

خدا نے کہا تھا کہ "تم میری طرف آؤ اور میں تمہاری طرف آؤں گا" اس کے علاوہ حضرت ذکریاؑ کے لڑکے نے کہ جو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے تھا' اس نے مسلسل اس بات کی کوشش کی کہ اہل اسرائیل کو آنے والے پیغمبر پر ایمان کے لئے تیار کرے۔ خود حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی میں ابتداء ہی سے پرہیزگاری پر زور دیا اور اپنے مریدوں سے کہ جو تبلیغ کے لئے گئے ان سے بھی کہا کہ وہ پرہیزگاری کی زندگی گذاریں۔ میرا یقین ہے کہ اس کا پیغام یہ تھا کہ گناہوں سے دور رہا جائے۔ جب اس نے یہودیوں کے مربی کی بیٹی کو مردہ سے زندہ کیا تو پہلے اس نے موسیقاروں اور شور و غل کرنے والے لوگوں کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔ کیونکہ گناہ ایک ایسی شے ہے کہ جو روح کو اس قدر آلودہ کر دیتا ہے کہ وہ عیسائیت کو قبول کرنے میں مائل نہیں ہوتی ہے ورنہ کوئی ہے کہ جو عیسائیت سے انکار کرے کہ جس میں امن ہے' جو آنکھوں کو روشنی دیتی ہے' اور کون ہے کہ جو اس رہبر رحمت سے اپنی پیاس نہ بجھانا چاہے کہ جو باآسانی قابل حصول ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں معمار اور مزدور کی نصیحت کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر کوئی مکان بناتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کی بنیاد اتنی مضبوط ہو

کہ جس پر پورا مکان کھڑا ہو سکے' اس مقصد کے لئے زمین کو کھودا جائے اور مٹی کو پھینک دیا جائے تاکہ وہاں ان پتھروں کے لئے جگہ خالی ہو جائے کہ جس پر گھر کی بنیاد رکھنی ہے۔ اسی طرح اگر ہمیں کسی برتن کو تیل سے بھرنا ہے تو پہلے اسے اس پانی سے خالی کرنا ہوگا کہ جو اس میں بھرا ہوا ہے۔ اگر تمہیں صاف کپڑے پہننے ہیں۔ تو پہلے میلے کپڑوں کو اتارنا ہوگا۔ سینٹ پال نے کہا ہے' نئے آدمی یعنی عیسیٰؑ کو ماننے سے قبل ضروری ہے کہ پرانے آدمی یعنی حضرت آدمؑ کے وقت سے اب تک انسانوں نے جو گناہ کئے ہیں ان سے خود کو پاک کیا جائے۔

اس لئے ایسے شخص کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ آئندہ سے وہ صرف ایک بیوی رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ دوسری عورتیں رکھتا ہے تو یہ سب ناجائز ہیں۔ اور خدا اور عیسیٰؑ کے احکامات کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اس آدمی کو اپنے پچھلے گناہوں سے معافی مانگنا چاہیے۔ اور پھر تمام بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے' اس کے بعد اسے روزے رکھ کر توبہ استغفار کرنا چاہیے' خدا سے دعا کرنی چاہیے' صدقہ و خیرات کرنی چاہیے اور دوسری نیکیاں کرنی چاہیں' اس کے ان اقدامات سے وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے۔ کلاؤلیس نے اسی طرح سے خدائی خوشنودی حاصل کی تھی اور خدا نے فرشتے کے ذریعہ اسے پیغام بھجوایا' سینٹ پیٹر جو کہ حضرت عیسیٰؑ کا نمائندہ تھا' اس نے اسے بپتسمہ دیا۔

اسے چاہیے کہ وہ تنہا یا چند اپنے رفیقوں کے ساتھ ہماری باتوں کو غور سے سنے اور خود کو ہمارا شاگرد سمجھے۔ اور جو اس کی سمجھ میں نہ آئے اس کی ہم سے وضاحت طلب کرے۔ ہم نے حضرت عیسیٰؑ سے یہ سیکھا ہے کہ جو بیج راستہ کے اوپر ڈالا جائے گا اسے پرندے کھا جائیں گے۔ اس لئے اس بیج کو دل کی گہرائیوں میں چھپا لیا جائے کہ وہ پرندوں سے محفوظ رہے' اور دل اور روح سے ایمان کی کونپلیں پھوٹیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ حق کی تلاش میں اس کے پاس جایا جائے جیسا کہ جاپان کا بادشاہ ہماری سوسائٹی کے پادریوں کے غریب گھرانوں میں جاتا ہے۔ اور ان سے عیسائیت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ بھی ایسا کریں۔ ہم اس بات پر تیار ہیں کہ آپ کے محل میں آئیں اور دن رات آپ کو عیسائیت کے

بارے میں بتائیں۔ ہماری خواہش صرف یہ ہے کہ ہمارا شاگرد تمام فکروں سے آزاد' سچائی کا متلاشی' جویا' اور سیکھنے والا ہو لیکن اگر ہم نے اپنے تبلیغی مشن کو بغیر کسی احترام کے جاری رکھا اور خدا کے احکامات کی تعمیل نہ کی تو ہمیں اس الٰہی تنبیہہ کو نہیں بھولنا چاہیے۔ کہ جس میں کہا گیا ہے کہ "لعنت ہو ان پر کہ جو خدا کے احکامات کو پہنچاتے ہیں' بے توجہی کرتے ہیں"۔ اس صورت میں ہم اور بادشاہ دونوں ہی جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

روڈولف نے اس کے بعد کچھ دنوں بادشاہ کے تاثرات کا انتظار کیا اور پھر وہ ایک دن بادشاہ کے محل میں گیا جہاں بادشاہ نے اسے بلایا اور پھر اس کے ساتھ نجی کمرے میں چلا آیا۔ اور ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کی سلطنت میں عیسائی آزادی کے ساتھ رہیں اور لہٰذا انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے چرچ بنائیں۔ ایسے ہی جس طرح سے ترکی میں انہوں نے بنائے ہیں۔ یہ لوگوں کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہوگی۔ کیونکہ بت پرستوں نے اس ملک میں اپنے مندر بنا رکھے ہیں۔ اس نے یہ اعلان بڑے خلوص سے کیا۔

دوسرے دن روڈلف نے بادشاہ سے اپنی تقریر کے بارے میں ایک ایک نکتہ پر سوالات کئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ بغیر دیر لگائے اس بات کا فیصلہ کرے کہ کیا وہ عیسائی ہونا چاہتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسے عیسائیت کی تعلیم اس طرح خاموشی سے دی جائے گی کہ اس کے دشمنوں کو فتنہ برپا کرنے کا کوئی بہانہ نہیں مل سکے گا۔ اس کو چاہیے کہ وہ عیسائی ہونے سے پہلے غور و فکر کرے' کیونکہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اگر اس کا قتل ہوگیا تو اس کی سلطنت بھی جائے گی اور اس کا خاندان بھی باقی نہیں رہے گا۔

بادشاہ نے مختصرا" جواب میں کہا۔ یہ تمام باتیں خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ کہ وہ انہیں اس راستہ پر چلاتا ہے کہ جس سے وہ گمراہ نہیں ہوتے ہیں۔ میری اپنی ایسی کوئی خواہشات نہیں ہیں کہ بیویوں' بچوں اور سلطنت کو چھوڑ دوں اگر میرے عیسائی ہونے کے نتیجہ میں بغاوت اور انتشار کا خطرہ ہے' تو پھر ایک ہی صورت ہے کہ میں حج پر جا رہا ہوں' مگر اس کے بجائے گوا چلا جاؤں اور وہاں جا کر بپتسمہ لے لوں"

ایسٹر

جب فادرز نے یہ سنا تو ان کو خوشی ہوئی' لہٰذا ایسٹر پر اتوار کے دن وہ چند پرتگیز گارڈز کے ہمراہ بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لئے گئے تاکہ اسے ایسٹر تہوار کے دستور کے مطابق مبارک دیں' اور ساتھ ہی میں اس کی خوش حالی کے لئے دعا کریں۔ بادشاہ نے ان کی مبارک باد کو قبول کرتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ اسے اس تہوار کی اہمیت کے بارے میں کچھ بتائیں۔ اس کے علاوہ اس نے ان کی رہائش کے لئے اپنے محل میں جگہ دی تاکہ جب بھی اس کو ضرورت ہو وہ انہیں فوری طور پر طلب کرسکے اور ان سے مذہب کے بارے میں ہدایات لے سکے۔ اس نے حاضرین میں سے اپنے امراء کو دربار سے جانے کو کہا اور رات کا ایک بڑا حصہ فادرز کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے گذارا۔ اس نے معلوم کیا کہ وہ کس طرح سے دعا کرتے ہیں۔ روڈولف نے اس پر مختصراً" روشنی ڈالی۔ دوسرے دن اس نے مہمانوں کے لئے شاہی باورچی خانہ سے کھانا بھجوایا۔ ایسٹر کے بعد فادرز اس سرائے سے کہ جہاں اب تک وہ مقیم تھے اور جہاں بہت زیادہ شور و غل تھا' بادشاہ کے محل میں اپنی رہائش گاہ پر آ گئے۔ جب بادشاہ نے ان کی آمد کے بارے میں سنا تو وہ بذات خود ان سے ملنے کے لئے آیا اور سیدھا رہائش گاہ کے چیپل میں عبادت کے لئے گیا۔ جہاں اس نے اپنی پگڑی اتار کر حضرت عیسیٰؑ و مریم کے سامنے سجدہ کیا ایک ہفتہ بعد وہ اپنے تینوں بیٹوں اور کچھ امراء کو چیپل دکھانے کے لئے لایا۔ داخل ہونے سے پہلے اس نے اور اس کے ساتھ تمام امراء نے جوتے اتارے۔ اس نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ و مریم سے عقیدت کا اظہار کریں۔ ان میں سے ایک امیر نے مریم کی تصویر دیکھ کر کہا کہ یہ خوبصورت لباس اور زیورات میں بیٹھی ایسی لگتی ہے کہ جیسے جنت کی ملکہ ہو۔ جب فادرز نے بادشاہ کو کنواری مریم کی تصویر جو کہ روم سے لائی گئی تھی' پیش کی تو اس نے اسے بڑی خوشی و مسرت سے قبول کیا۔

فارسی کا مطالعہ

ان تمام واقعات سے پادریوں کو بے انتہا مسرت ہوئی اور ان کے دلوں میں مسرت کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوا' انہوں نے ایک نئی توانائی کے ساتھ اس بات کی کوشش کی کہ خدا نے انہیں جس مشن پر یہاں بھیجا ہے وہ اس کی تکمیل کریں۔ انہوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ انہیں فارسی کے ایک استاد کی خدمات دی جائیں کہ جس سے وہ فارسی زبان' جو کہ دربار کی زبان ہے' اسے سیکھ سکیں' کیونکہ اس کے بعد وہ آسانی سے بحث و مباحثہ میں حصہ لے سکتے ہیں۔

اس کام کے لئے بادشاہ نے ایک نوجوان (ابوالفضل) کے ذمہ یہ کام لگایا یہ نوجوان بڑا ذہین اور قابل تھا' اس کی راہنمائی میں فادر روڈولف کہ جو خود بھی بلا کا ذہین تھا' تین مہینہ میں اس قدر فارسی سیکھ لی کہ وہ اس میں بہ آسانی اپنا مفہوم ادا کر سکتا تھا' اگرچہ اس وقت تک وہ اس قابل نہیں ہوا تھا کہ ادبی و علمی زبان کے ساتھ بول سکے۔ فارسی ایک خوبصورت زبان ہے اور اس میں الفاظ کا ایسا بہت سا ذخیرہ ہے کہ جس کے ذریعہ فلسفیانہ اور علمی مباحث کو بخوبی بیان کیا جاسکتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک پادری کو جو ہرمز میں پیدا ہوا تھا اور جو فارسی زبان بھول چکا تھا' نے دوبارہ سے اس زبان میں مہارت حاصل کرلی۔

روڈولف نے جس تیزی سے فارسی زبان سیکھی' اس سے نہ صرف اس کی ذہانت ثابت ہوئی بلکہ اس کی وجہ سے دربار میں ہر طرف اس کی تعریف ہونے لگی۔ انہیں حیرانی تھی کہ ایک اجنبی اور غیر ملکی کس طرح سے دوسری زبان کو اتنی جلدی اور آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ اس کا غیر ملکی لہجہ کہ جس میں وہ بولتا تھا' انہیں پسند آتا تھا۔ جب اس نے فارسی زبان میں اتنی اہلیت حاصل کرلی کہ وہ ترجمہ کرسکے تو اس نے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے واقعات کو ترجمہ کیا' اور خاص طور سے ان نکات کی تشریح کی کہ جن پر مسلمانوں کو اعتراضات تھے۔ وہ جو بھی لکھتا تھا اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ فرصت کے اوقات میں انہیں بغور اور محتاط طریقہ سے دیکھ سکے۔ اس طریقہ سے اس نے اس رکاوٹ کو دور کر دیا کہ جو بات چیت کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی اور جس میں حاضرین بیچ میں اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ

اس طریقہ سے وہ اس شبہ کو بھی دور کرنا چاہتا تھا کہ بادشاہ کیوں ان غیر ملکیوں کو اس قدر پسند کرتا ہے اور کیوں انہیں بار بار نجی محفلوں میں بلا کر ان سے بات چیت کرتا ہے۔

مباحثہ

فادرز اور مسلمان علماء میں مختلف مذہبی موضوعات پر اکثر بحث و مباحثے رہتے تھے۔ ان میں اہم موضوعات تھے۔ تثلیث' خدا کا بیٹا' اس کی موت' محمد صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن شریف' یوم حساب' موت' دوبارہ سے زندہ ہونا وغیرہ وغیرہ ان مباحث میں' ہم بڑے انکسار سے کہتے ہیں کہ فادر نے ہمیشہ اپنے مخالفوں کو دلائل سے خاموش کر دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ عیسائیت کی سچائی کے لئے معجزوں کے دکھانے کا مطالبہ کرنے لگے' اور اس بات پر زور دینے لگے کہ سچائی کو ثابت کرنے کے لئے آگ کی آزمائش ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس مطالبہ کے پس منظر میں ان کا جذبہ انتقام تھا۔ وہ اس پر بھی پشیمان اور نادم تھے کہ انہیں سب کے سامنے لاجواب کر دیا گیا تھا۔ بحث کے دوران پادریوں نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی تھی کہ وہ حوالہ جات دیتے وقت قرآن شریف اور مسلمانوں کی کتابوں کو استعمال کریں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس پر سخت حیرانی تھی کہ انہیں ان کے مذہب کے بارے میں یہ تمام تفصیلات اور معلومات کیوں کر ہیں۔ ان میں سے ایک عالم (ابوالفضل) علماء سے بحث کے دوران ہمیشہ پادریوں کی حمایت کرتا تھا' اور اس وجہ سے بادشاہ بھی اس کو پسند کرتا تھا۔ جب بھی کسی حوالہ کی شہادت یا اس کی صداقت کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا تو وہ ہمیشہ فادرز کی بات کی تائید کرتا تھا۔ جب بھی کتابوں کو تصدیق کے لئے لایا جاتا تھا تو ہمیشہ حوالہ جات صحیح نکلتے تھے۔

سکول کا قیام

خود بادشاہ ہر بحث میں پادریوں کا ساتھ دیا کرتا تھا۔ جب بھی پادری کوئی ایسی دلیل دیتے

کہ جو وزنی اور جاندار ہوتی تو بادشاہ خاص طور سے حاضرین کی توجہ اس طرف کراتا تھا' اور اکثر ان کی ہمت افزائی کے طور پر ان کی اس قدر تعریف کرتا کہ وہ خود شرمندہ ہو جاتے تھے۔ سب سے زیادہ وہ جس چیز سے متاثر ہوا تھا وہ پادریوں کی قناعت پسندی اور پاک بازی تھی۔ وہ اس بات کا بار بار اظہار کرتا تھا کہ وہ خود تمام دنیاوی معاملات ترک کرکے' عبادت گزاری کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک وہی پسندیدہ ہے کہ جو اس دنیا کی لذتوں' بیوی' بچوں اور مال و اسباب کو ترک کر دے۔ اسے پادریوں پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اس نے اپنے دوسرے لڑکے (مراد) کو پادریوں کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے تعلیم و تربیت دیں۔ مزید اس نے حکم دیا کہ انہیں خزانہ سے پیسہ دیا جائے کہ وہ غریبوں میں تقسیم کریں۔ لیکن پادریوں نے اس ذمہ داری کو لینے سے انکار کر دیا۔ وہ اس پر تیار ہوگئے کہ شہزادہ کی تعلیم کی نگرانی کریں گے۔ کیونکہ انہیں امید تھی کہ اس طرح سے مشن کی کامیابی کے لئے کام کرسکیں گے اس کے علاوہ تعلیم ان کی سوسائٹی کے اہم کاموں میں سے ایک تھی۔

جس دن سے شہزادے نے تعلیم سروع کی' اس خوشی میں بادشاہ نے استاد کو سونے کا ایک سکہ دیا' کیونکہ یہ اس ملک کا رواج ہے۔ لیکن پادری نے یہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر بادشاہ اور اس کے امراء پادریوں کی دولت سے نفرت اور روپیہ سے بیزاری پر حیران ہوئے اور اس کے اس رویہ پر تعریف و توصیف کے جملے ادا کئے۔ شہزادہ کی تعلیم اس طرح سے شروع ہوئی۔ ہر سبق کو شروع کرنے سے پہلے وہ عقیدت سے حضرت عیسیٰؑ اور مریم کا نام لیتا تھا۔ جیسا کہ عیسائیوں میں رواج ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ماتھے' چہرے اور سینہ پر صلیب کا نشان بناتا تھا' اس کے بعد وہ حضرت عیسیٰؑ کی تصویر کہ جو اس کی کتاب میں تھی' اس کے سامنے عقیدت سے جھکتا تھا۔ شہزادے کے جو ساتھی اس کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی اس عمل کو دھراتے تھے' اس کے یہ ساتھی امراء کے بیٹے تھے کہ جنہیں بادشاہ نے منتخب کیا تھا۔

بچوں کو عیسائیت کی تعلیم درسی کتابوں کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ جہاں تک ذہانت قابلیت اور شوق کا تعلق ہے تو نوجوان شہزادہ ایک شاہی طالب علم تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس جیسا شاگرد عیسائیوں میں بھی ملنا مشکل ہے' اور خاص طور سے ایک شہزادہ جو

علم کا اس قدر شوقین ہو۔ وہ ایسے استاد کا بے انتہا ادب کرتا تھا' اور اس کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ جب استاد اسے ڈانٹ رہا ہو تو وہ اس کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے۔ تین مہینہ کے اندر اندر اس نے لکھنا سیکھا لیا اور بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے استاد کی تحریر کی نقل کرنے لگا۔ اس کی لکھائی کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے اتنی جلدی یہ سب کچھ سیکھ لیا ہے۔ بادشاہ بھی اپنے بیٹے کی اس لیاقت پر خوش تھا' اور اسے حکم دے رکھا تھا کہ وہ روز اس کی خدمت میں حاضر ہو کر جو بھی اس نے پڑھا ہے یا سیکھا ہے اسے زبانی یا کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ بادشاہ کی اس خصوصی توجہ کی وجہ سے لڑکا محنت سے کام کرتا تھا۔ بادشاہ اگرچہ اپنی اولاد سے بڑی محبت کرتا تھا' مگر ساتھ ہی ان کی تربیت کی خاطر وہ انہیں سخت احکامات دیا کرتا تھا' اگر ضرورت پڑتی تھی تو وہ انہیں مارتا پیٹتا بھی تھا۔ اور سخت الفاظ سے بھی مخاطب ہوتا تھا۔ اس نے شہزادے کے استاد کو اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ اگر وہ کوئی غلطی کرے یا کام میں سستی کرے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ اسے سزا دے۔ جب شہزادے کو اس بات کا علم ہوا کہ اس کے استاد کو مارنے کا حق دیا گیا ہے۔ تو وہ بڑا خوف زدہ ہوا' مگر جب اس کے استاد نے اسے نرمی سے سمجھایا اور محبت کے ساتھ پیش آیا تو اس کا ڈر دور ہوا۔ فادرز نے اسے سمجھایا کہ اسے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ پرتگالیوں کا دستور نہیں ہے کہ وہ شہزادوں کو سزا دیں۔ ان کے نزدیک اس کا حق صرف ان کے والدین کا ہے۔ اگر وہ بچے ہوں تو تب ان کی آیائیں انہیں سزا دے سکتی ہیں۔ ورنہ دوسرے لوگوں کو ہاتھ لگانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ قطعی مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ بحیثیت اجنبی کے وہ ایک عظیم بادشاہ کے بیٹے کو جسمانی سزا دیں۔ استاد نے مزید بتایا کہ بادشاہ نے اسے جو سزا کا حکم دیا ہے۔ وہ اس سے اس قدر متاثر ہوا ہے کہ وہ قطعی طور پر اس پر تیار نہیں ہوگا کہ بادشاہ کے اعتماد کو مجروح کرے اور شہزادے کو سزا دے۔ کیونکہ بادشاہ یہ توقع کرتا ہے کہ میں اس رعایت کو غلط طریقہ سے استعمال نہیں کروں گا۔ استاد کی اس یقین دہانی کے بعد شہزادہ اور اس کے دو بھائی اس قدر متاثر ہوئے کہ جلد ہی وہ اپنے استاد کے دوست بن گئے۔ شہزادہ مراد کو پیار سے پہاڑی کہا جاتا تھا۔

ابوالفضل

مسلمانوں کے ایک بڑے عالم جو کہ بادشاہ کا وزیراعظم بھی تھا اس کا رویہ فادرز کی طرف سے بڑا دوستانہ اور مشفقانہ تھا' اس وجہ سے بادشاہ کی مہربانی بھی دن بدن بڑھتی رہی۔ اس شخص کا نام شیخ ابوالفضل تھا۔ اس قربت کی وجہ سے پادری اسے بادشاہ کا جوناتھن کہا کرتے تھے۔ وہ ایک بہت ہی بزرگ آدمی جس نے اپنی پوری زندگی مذہبی علوم کے مطالعہ میں گذاری تھی اور جس کا نقطہ و نظر مذہب کے بارے میں تنقیدانہ تھا۔ اس کے لڑکوں نے بھی باپ کی تقلید میں مذہبی علوم حاصل کئے اور مذہب کا تنقیدی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا۔ پادری اس بزرگ کے شخص کے علم' دانشمندی' اور عیسائیت کی جانب اس کی دوستی سے بے انتہا متاثر ہوئے۔ اس نے بڑی عقیدت سے کتاب مقدس کو بوسہ دیا اور سر پر رکھا وہ پادریوں کی ایسی عزت کرتا تھا کہ جیسے وہ فرشتے ہوں۔ وہ اس نوجوان ترجمان کی خوش قسمتی پر رشک کرتے تھے کہ جو ان کی محبت میں ہمیشہ رہتا ہے۔ اس نے بادشاہ سے نجی ملاقاتوں میں پادیوں کے زہد و تقوی اور عبادت گذاری و نیک نیتی کی تعریف کی۔ اس نے ابوالفضل کے ساتھ مل کر یہ انتظام کیا تھا کہ کسی بھی بحث سے پہلے فادرز اس سے ان نکات پر بات کریں کہ جو بحث میں اٹھائے جاتے رہے ہیں۔ اس غرض سے کہ وہ مخالفین کے لیے بہتر اور عمدہ جوابات فراہم کرے۔ اس قسم کی مدد اس نے کئی مصیبتوں میں کی۔ اور ایک بحث میں تو اس کے دلائل اس قدر وزنی تھے کہ وہ بالکل عیسائی معلوم ہوتا تھا۔ اس قسم کے مباحث کے لیے اتوار کا دن مقرر ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں یہ بڑی خبر آئی کہ بنگال میں پٹھانوں نے بغاوت کر دی اور بادشاہ کے گورنر کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ بادشاہ کی شہرت کو اس بات سے بھی نقصان پہنچا کہ وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو رہا ہے' ان حالات میں جلال الدین نے مذہبی مباحثے کم کر دیئے اور کچھ عرصہ تک اس نے پادریوں کو بھی نہیں بلایا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فادرز نے کتاب مقدس کے اہم حصوں کا فارسی میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس ترجمے کو دربار میں امراء اور علماء کے سامنے پڑھا جائے' اس پر خدا اور اس کے بیٹے سے متعلق ایک بحث چھڑ گئی۔ اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے ابوالفضل نے بڑے عالمانہ انداز میں اس پر روشنی ڈالی کہ عیسائیوں کا عقیدہ کہ

خدا کے بیٹا ہے اس کے فلسفیانہ اور مذہبی دلائل ہیں۔ فلورز بھی اس کی باتیں سن کر بڑے حیران ہوئے۔ روڈولف نے نہ صرف ابوالفضل کے دلائل کی تائید کی بلکہ وضاحت کے بعد اس نے خصوصیت سے اس کو سراہا کہ اس نے بڑی خوبصوتی سے اس پیچیدہ مسئلہ کو سلجھایا ہے۔

جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ حضرت عیسیٰ نے موت کو اس لئے قبول کیا کیونکہ فطرتاً وہ نیک اور پاکباز تھے ورنہ اگر وہ چاہتے تو خود کو موت سے بچا سکتے تھے۔ اس کے بعد روڈولف نے اس کی تشریح کی کہ حضرت عیسیٰ کی ذات میں دو فطرتیں کس طرح سے مل گئیں تھیں۔ اس بات پر بادشاہ نے اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے پادری کو داد تحسین دی۔ یہ سب دیکھ کر ہمارے مخالفین سنجیدہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ ابوالفضل عیسائیت کے اس قدر قریب آگیا تھا کہ وہ جب بھی چیپل میں داخل ہوتا تو عقیدت و محبت اس کے چہرے سے عیاں ہوتی تھی اور وہ کہتا تھا کہ ہماری مذہبی عبادت گاہوں میں الٰہی اور آسمان برکت و نور ہوتا ہے۔

کرسمس

جب اس بات کی شہرت ہوئی کہ بادشاہ عیسائیوں کے ساتھ بڑی مہربانی اور شفقت کے ساتھ پیش آرہا ہے' تو اس کی وجہ سے بادشاہ سے ملاقات میں احتیاط کی جانے لگی۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے پادیوں نے یہ فیصلہ کیا وہ اس مکان میں منتقل ہو جائیں کہ جو محل کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ سوچا گیا کہ دیوار سے ایک خفیہ راستہ نکال کر وہ خاموشی سے ملنے کا بندوبست کر سکیں گے۔ جب انہوں نے اپنے اس منصوبے کے بارے میں بادشاہ کو بتایا تو اس نے فوراً" حکم دیا کہ اس مکان سے کہ جو خورشید خانہ کہلاتا تھا' تمام خوشبوؤں کے مرتبان اٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں اس پر پادریوں کو یہ کہاوت یاد آئی کہ ہم عیسیٰ کی فرشبو ہیں جب مکان خالی ہو گیا تو ہماری ضروریات کے مطابق اس کی معمولی مرمت کی گئی اور ہماری ہدایت کے مطابق فرنیچر لایا گیا۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ وہ جلدی ہماری نئی رہائش گاہ پر آئے گا۔ کیونکہ کرسمس کا تہوار قریب تھا' اس لیے بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ وہ اس موقع پر آئے۔ کرسمس پر انہوں نے چیپل کو

قیمتی سلک کے پردوں سے آراستہ کیا۔ انہوں نے اس غار کا ایک خوبصورت نمونہ بنایا کہ جہاں عیسیٰ پیدا ہوئے تھے' وہ پنگوڑا بنایا کہ جس میں انہیں لٹایا گیا تھا' اور وہ پہاڑ کہ جہاں سے چرواہوں نے انہیں دیکھا تھا۔ لوگوں کی شبیہیں چھوٹے مجسّموں کے ذریعہ دکھائی گئی تھیں۔ اور کوشش کی گئی تھی یہ سب حقیقی و اصلی معلوم ہوں۔ بادشاہ معہ اپنے قریبی مصاحبین کے آیا اور اس نظارہ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے ہر چیز کو بغور دیکھا اور عیسیٰ کی پیدائش کے بارے میں سوالات کئے۔

اس شام کو بادشاہ نے اپنے لڑکوں کو پنگوڑا دیکھنے کو بھیجا۔پادریوں کی نئی رہائش کے نزدیک بڑا شور و غل رہتا تھا کیونکہ یہ منشیوں کے نزدیک تھا کہ جہاں ان کے گاہک آتے و جاتے رہتے تھے۔ بادشاہ نے پادریوں کے سکون کی خاطر ان سے پوچھے بغیر ان منشیوں کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ چلے جائیں۔ پادریوں کے چیپل میں عیسیٰ کے خوبصورت مجسّمے کی شہرت اس قدر ہوئی کہ مسلمان اور ہندو بڑی تعداد میں زیارت کی غرض سے آنے لگے وہ مجسمہ کو دیکھ کر عقیدت سے ہاتھ اوپر اٹھاتے اور دعا مانگتے۔ وہ ان بہت سے عیسائیوں سے بہتر تھے کہ جنہوں نے عیسائیت کے نام پر بت شکنی کی' اور عیسائیت کو نقصان پہنچایا۔

تلوار زنی کا مقابلہ

ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔ کہ بادشاہ پادریوں کی راست بازی اور دانشمندی سے متاثر تھا۔ لہٰذا پادریوں نے اپنی ذمہ داری سمجھی جاتی کہ جہاں ضروری ہو وہ بادشاہ کی خدمت میں اپنی رائے ضرور پیش کریں۔ لہٰذا انہوں نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ سچائی کو جاننے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا اور بے توجہی اور غفلت کا شکار ہے۔ یہ بات انہوں نے بڑے مہذب انداز میں اس کے موڈ کو دیکھتے ہوئے کہی۔ جب اس نے ایک بار انہیں تلوار زنی کا مقابلہ دیکھنے کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے ان کے نہ آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ عیسائی اخلاقی قدروں کے قطعی خلاف ہے کہ اس قسم کے مقابلوں کا انتظام کیا جائے' یا انہیں دیکھا جائے جو اس قسم کے مقابلوں کا بندوبست کرتا ہے وہ انسانیت کے خلاف سخت قسم کے جرم کا ارتکاب کرتا

ہے۔ اگر اسے تلوار بازی کے مقابلے دیکھنے کا ایسا ہی شوق ہے تو پھر اسے یہ کرنا چاہیے کہ تلواروں کو کند کروائے۔ تلوار بازوں سے کہے کہ وہ زرہ اور حفاظتی لباس پہنیں اور اپنے ہاتھوں میں چھوٹی ڈھالیں رکھیں تاکہ وہ مخالف کے وار کو اس پر جھیلیں جس سے ان کی زندگی کو کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔ بادشاہ نے فوراً ان تجاویز کو قبول کر لیا' وہ عیسائیت کے اس پہلو سے بھی متاثر ہوا۔

ستی

برہمن جو کہ ہندوؤں میں اعلیٰ اور شریف ذات ہے' ان کی عورتوں میں یہ دستور ہے کہ جب شوہر مرتا ہے تو اس کی بیوی اس کے ساتھ چتا میں جل کر مر جاتی ہے' بادشاہ نے ایک مرتبہ پادریوں کو ستی دکھانے کے لیے بلایا (اکبر نے اس پر پابندی لگا دی تھی) (چونکہ وہ اس رسم سے واقف نہیں تھے اس لیے اس حکم کی تعمیل کی' لیکن جب انہیں اس کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے سختی سے اس کے ظالمانہ رواج کی مخالفت کی۔ فادر روڈولف نے سب کے سامنے بادشاہ کو نادم کیا کہ وہ کیوں اپنی حاضری سے اس رسم کی ہمت افزائی کر رہا ہے۔ جلال الدین بادشاہ کا رویہ پادریوں کے ساتھ اس قدر مہربانی کا تھا کہ اس نے اس سرزنش کے باوجود کسی قسم کا غصہ یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اکبر کا ایک امیر' جو کہ برہمن ذات کا امیر تھا اور جو کہ اعلیٰ منصب پر فائز تھا' وہ بھی بادشاہ کو یہاں آنے سے نہ روک سکا۔

وہ عورتیں کہ جو ستی پر تیار تھیں' وہ نشہ ور اشیاء کے کھانے سے اپنے ہوش و حواس میں نہ تھیں' اس مقصد کے لیے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو' انہیں کافی مقدار میں بھنگ گھوٹ کر پلا دی جاتی ہے۔ اس نشہ کی حالت میں انہیں جلتی چتا پر ڈالا جاتا ہے' اگر وہ آگ میں جانے سے گھبراتی ہیں تو انہیں زبردستی پکڑ کر لیجایا جاتا ہے' اگر وہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تو ڈنڈوں اور برچھوں سے مار کر واپس کر دیا جاتا ہے۔ وہ امیر جو وہاں موجود تھے پادریوں کی مخالفت سے سخت ناراض تھے' لیکن بادشاہ کے خوف کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکے لیکن انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے ہم سے یہ ضرور کہا کہ "یہاں سے دفع ہو جاؤ" تم بدمعاش لوگ۔ جب شہر میں لوگوں نے یہ سنا

کہ پادریوں نے بادشاہ کی فہمائش کی ہے تو وہ تمام ان کی تعریف کرنے لگے' اور ان کی جرات کے قائل ہو گئے۔

ایک بار پادریوں کا آمنا سامنا چند ایسے اوباش لوگوں سے ہوا کہ جو عورتوں کی طرح کا لباس پہنے ہوئے تھے (زنخے) پادری ان کو دیکھ کر سخت متنفر ہوئے اور جیسے ہی انہیں موقع ملا ان کی شکایت بادشاہ سے کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں تعجب ہے کہ بادشاہ نے اس طبقہ کے لوگوں کو کیوں اپنی سلطنت میں رہنے کی اجازت دے رکھی ہے اور وہ بھی اپنے شہر میں اور اس قدر قریب میں۔ ان کو کسی دور دراز حصہ میں جلا وطن کر دینا چاہیے' بلکہ اگر ہو سکے تو انہیں زندہ آگ میں ڈال دینا چاہیے۔ انہیں تو یقین نہیں آتا کہ ایک ایسے بادشاہ کے دربار میں جو کہ اپنی نیکی و پارسائی کی وجہ سے مشہور ہے وہاں یہ لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا بادشاہ کو فوری طور پر حکم دینا چاہیے کہ یہ اوباش و عیاش لوگ فتح پور سیکری میں نظر نہ آئیں۔ بادشاہ ان کی باتیں سن کر ہنسا اور یہ وعدہ کرکے کہ وہ اس معاملہ پر غور کرے گا' محل کے اندر چلا گیا۔

اکبر کی مہربانی

اگرچہ پادری اکثر بادشاہ کی فہمائش کرتے رہتے تھے' مگر اس کے باجود اس کا رویہ ان کی جانب ہمدردانہ اور مہربانہ رہا۔ جب بادشاہ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ پادری جو کچھ کہتے ہیں۔ وہ خلوص نیت اور محبت سے کہتے ہیں تو وہ نہ صرف ان پر اور زیادہ مہربان ہو گیا' بلکہ انہیں انعامات و اکرامات سے بھی نوازنے لگا۔ جب وہ اسے بغیر سر کو ڈھکے ہوئے سلام کرتے تھے تو وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا کر ان کا جواب دیا کرتا تھا۔ اس نے انہیں اجازت دے رکھی تھی کہ اس کے دربار میں حاضری کے وقت وہ اپنے سروں کو ڈھکے رکھیں۔ وہ جب بھی انہیں محفل میں بلاتا یا ان سے مشورہ طلب کرتا تو انہیں اپنے قریب بٹھاتا تھا۔ ان سے ہاتھ ملاتے وقت اس کا رویہ دوستانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا۔ کئی مرتبہ اس نے روڈولف کے گلے میں بانہیں ڈال کر چہل قدمی کی۔ ایک مرتبہ جب کہ وہ کیمپ میں تھا اس نے ایک پادری سے' امراء کے درمیان میں' یہ درخواست کی کہ وہ اس کی کمر کے گرد تلوار باندھے' یہ دوسرے امراء کے لیے یقیناً" باعث رشک و

حسد تھا۔ وہ پادریوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اپنے اندرونی خیالات میں بھی انہیں شریک کیا کرتا تھا۔ اس نے محل کے دربانوں کو حکم دے رکھا کہ انہیں اندر جانے سے نہ روکیں۔ اور جب ہم چاہیں اندر جائیں۔ یہاں تک کہ محل کے اندرونی حصہ میں بھی جانے کی اجازت تھی کہ جہاں صرف خاص خاص افراد جا سکتے تھے۔ وہ ہمیں شاہی مطبخ خانہ سے اکثر کھانا بھجوایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب ایک پادری بیمار ہوا تو یہ اس کی مزاج پرسی کے لیے آیا' اور اس سے پرتگیز زبان میں خیریت پوچھی۔ وہ ہمیشہ تحفے تحائف سے نوازتا رہتا تھا۔ اس کی فیاضی کا یہ سلسلہ جاری رہتا' اگر پادری کی اس سے یہ درخواست نہ کرتے کہ انہیں صرف کھانے پکانے کی اشیاء کی ضرورت ہے۔ اور وہ بھی سادہ اور معمولی۔ پادریوں کی اس بات سے وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے کئی بار انہیں حاضرین کے سامنے بلاویا۔ وہ ہر مہینہ ان کو خیرات صدقہ کے نام پر اس قدر روپیہ پیسہ بھیجتا کہ جو ان کے روزمرہ کے اخراجات کے لیے کافی ہوتا تھا۔

شاہ منصور کی سازش

بادشاہ اور پادریوں کے ان تعلقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ بادشاہ نے دین اسلام چھوڑ دیا ہے اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ چونکہ وہ مسلمانوں کے رواج کے مطابق نماز روزے کا پابند نہیں تھا' اس لیے وہ مسلمانوں میں غیر مقبول ہو گیا۔ خاص طور سے ایک شخص (خواجہ شاہ منصور) جسے کہ اکبر نے ادنی مرتبہ سے اعلی منصب تک پہنچایا تھا' اس کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی کہ دربار میں رسول اللہ کی ذات پر حملے کئے جائیں اور اس پر کوئی بولنے والا نہ ہو۔ لہذا اس نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف سازش تیار کی اور بادشاہ کے بھائی (مرزا حکیم) جو کابل کا بادشاہ تھا کو یہ خط لکھا' "تمہیں چاہیے کے اپنے مذہب کے بارے میں سوچو اور اس کے دفاع کے لیے تیار ہو جاؤ تمہیں اس بات کا موقع ہے کہ اپنے مذہب کو بچاتے ہوئے ایک بڑی سلطنت حاصل کر لو۔ یہاں میرے ساتھ کئی لوگ ہیں کہ جو اس کافر بادشاہ سے بغاوت کر کے تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہیں۔ میں ان سب کا سردار ہوں۔ جس وقت جنگ شروع ہو گی تو تمہارے بھائی کو

قتل کر دیا جائے گا یہ کام یا تو میں کروں گا' یا کوئی اور جو اسے آسانی اور خاموشی سے سرانجام دے گا اس کے بہت سارے دوست اور رشتہ دار میرے ساتھ اس سازش میں شریک ہو چکے ہیں۔ جب وہ مارا جائے گا تو بغیر کسی خون ریزی کے ہماری فتح ہو جائے گی"۔

اس نے اس خط کی کئی کاپیاں کیں جن میں سے ایک کو پکڑ لیا گیا اور اسے بادشاہ کے سامنے بلایا گیا۔ جب بادشاہ کو اس سازش کے بارے میں علم ہوا تو اس نے اس کے سربراہ کو قید کرنے کا حکم دیا' ساتھ ہی میں اپنے بھائی کو لکھا کہ وہ امن کے ساتھ رہے ورنہ دوسری صورت میں اسے اپنی سلطنت سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس کے ایک مہینہ کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس احسان فراموش اور غدار شخص کو رہا کر دیا جائے نہ صرف یہ بلکہ اسے دوبارہ سے اس کے پرانے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک ہوشیار اور باصلاحیت شخص تھا' دوسرے یہ کہ بادشاہ کی اس قدر طاقت تھی کہ اسے اپنے بھائی کی طرف سے ذرا بھی ڈر نہیں تھا کہ وہ اس کے خلاف جنگ کر کے کامیاب ہو سکے گا۔ دوسرے سازشیوں کو بادشاہ نے تنبیہہ کے بعد سلطنت کے دور دراز کے علاقوں میں بھیج دیا۔ تاکہ وہ اس قابل نہ ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھ سکیں۔

شاہ منصور کی دوبار سازش

بادشاہ کہ جو فطرتاً" سادہ اور نیک دل ہے' اس خیال سے کہ اب اس سازش کا خاتمہ ہو گیا ہے' اور تمام سازشیوں کو ادھر ادھر کر دیا ہے' اپنی حفاظت کی زیادہ فکر نہ کی۔ اگرچہ اس دوران اس نے خود کو ہمیشہ مسلح رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس صورت حال سے پادریوں نے بھی خود کو خطرہ میں محسوس کیا۔ شاہ منصور جو اس سازش کا سرغنہ تھا' اس نے معافی اور تمام مراعات کی واپسی کے باوجود بھی خود کو بالکل نہیں بدلا۔ اس نے پھر دوبارہ سے اپنے مذموم مقاصد کے لیے سازش شروع کر دی۔ اس نے دوبارہ سے مرزا حکیم کو اسی مفہوم کے خطوط بھیجنا شروع کر دے۔ بادشاہ نے دوبارہ سے اس سازش کو بے نقاب کر دیا۔

شاہ منصور اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے بڑی مدت سے کام کر رہا تھا اور لوگوں میں بادشاہ کے خلاف نفرت پھیلا رہا تھا۔ شازشیوں کی طاقت کا انحصار ان کے گھڑ سواروں پر ہے جو کہ چنگیز خاں کے دستور کے مطابق ترتیب دے گئے ہیں۔ اس کا سب سے چھوٹا منصبدار دس سواروں کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد سو سواروں کا' پھر ہزار کا اور سب سے بڑا دس ہزار کا ہوتا ہے۔ جو منصب دار جس قدر سوار رکھتا ہے اسی حساب سے اس کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اور جو حساب منصبدار پیش کرتا ہے اس کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

شاہ منصور نے بادشاہ سے شکایت کی کہ یہ منصبدار دھوکہ بازی سے زیادہ سواروں کی تنخواہ لیتے ہیں۔ جب کہ درحقیقت وہ اتنے رکھتے نہیں ہیں۔ اور نمبر پورا کرنے کے لئے وہ اپنے ملازموں اور پیادہ فوجیوں کے نام گھڑ سواروں میں درج کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس دھوکہ بازی کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر منصبدار اپنے گھوڑے پیش کرے۔ ان گھوڑوں کو داغا جائے اور اگر کوئی گھوڑا مر جائے تو اس کی دم کو جمع کرایا جائے کہ یہ بطور ثبوت محفوظ رہے۔ نہ تو گھڑوں کو ادھار لیا جائے نہ کسی اور کے گھوڑوں کو اپنے بنا کر دکھایا جائے' اور نہ کسی گھوڑے کو بادشاہ کی مرضی کے بغیر فروخت کیا جائے۔ مزید اس نے کہا کہ گھڑ سواروں اور ان کے منصب داروں کو تنخواہ کم کر دی جائے۔ بادشاہ نے اس کی تجویز کو منظور کر لیا کیونکہ یہ سلطانت کے فائدے میں تھیں۔ اس سے فائدہ اٹھا کر اس مغرور شخص نے بادشاہ کا تختہ الٹنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ اس کی ان اصلاحات سے مغل فوج اس قدر نالاں ہوئی کہ بنگال میں بغاوت پھوٹ پڑی اور بادشاہ کے اعلیٰ عہدے دار قتل ہو گئے۔ خود بادشاہ ملک کے تمام طبقوں میں ان کی وجہ سے غیر مقبول ہو گیا اور لوگوں نے اسے ظالمانہ کہا۔ اب لوگوں میں بغاورت پھیلانے میں ایک ہی کسر رہ گئی تھی کہ بادشاہ کے خلاف مذہبی بنیادوں پر فتویٰ دیا جائے ان حالات کو دیکھتے ہوئے پادریوں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور یہ جاننے کی کوشش کی کیا واقعی وہ انہیں دربار میں بلا کر پشیمان ہے۔ کیونکہ یہ افواہیں تھیں کہ وہ اس بات کا اظہار کر رہا ہے۔ لیکن بات چیت کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ کی کوئی خواہش نہیں کہ انہیں دربار سے جانے کا کہے' جب انہوں نے جانے کی اجازت مانگی تو

اس نے انہیں ملامت کرتے کہا کہ کیا انہیں وطن کی یاد ستار رہی ہے۔ لیکن وجہ یہ تھی کہ پادریوں کا کام ان حالات میں انتہائی ست ہو گیا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ جس کام کے لئے انہوں نے اتنا لمبا سفر کیا ہے' اسے ادھورا چھوڑ دیا جائے۔

اس کے کچھ دن بعد ہی بادشاہ کو شاہ منصور کی دوسری سازش کے بارے میں اطلاعات ملیں' اس پر اسے دوبارہ سے گرفتار کر لیا گیا اور اس کا منصب و مرتبہ چھین کر اسے نظر بند کر دیا گیا۔

مرزا حکیم کا حملہ

مرزا حکیم پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ کابل سے چلا اور پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ لاہور کے قریب آکر وہ رکا' روہتاس کے قلعہ کے گورنر مرزا یوسف خاں نے قلعہ حوالہ کرنے سے انکار کر دیا اور اسے کہلوا بھیجا کہ یہ قلعہ کا اسے بادشاہ اکبر نے دیا ہے اور وہ اسی صورت میں اسے چھوڑے گا کہ جب اسے شکست ہو گی اور قلعہ پر زبردستی قبضہ کر لیا جائے گا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مرزا نے دشمنوں کو بغیر شکست دیئے چھوڑ دیا اور آگے کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نے اپنے فوجیوں کو سختی کے ساتھ یہ ہدایت دی تھی کہ وہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ کسی کھیت کو تباہ نہ کریں' اور شہر لاہور کو بالکل نہ چھیڑیں۔ اس نے شہر کے گورنر کے پاس سفیر بھیجے اور کہلوایا کہ وہ شہر کو اس کے حوالہ کر کے خود چلا جائے۔ لیکن گورنر کی جانب سے اس کو وہی پیغام ملا کہ جو یوسف خاں نے دیا تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ اس نے جنگ چھیڑ کر غلطی کی' کیونکہ اس کے بھائی کے سرکردہ امیروں میں سے کوئی بھی اس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھا جبکہ وہ لوگ بھی کہ جنہوں نے اسے یہاں آنے کی دعوت دی تھی' اب اس کی کوئی مدد کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اب اسے اپنے بھائی کی طاقت۔اور اس کی فوج سے ڈر محسوس ہوا' اور یہ احساس بھی ہوا کہ اس نے جس مہم کا آغاز کیا ہے اس میں اس کی ناکامی لازمی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی رسد میں بھی کمی آرہی ہے تو اس نے بھی مناسب سمجھا کہ فوراً" واپس ہوا جائے۔ لیکن اس کے سپہ سالار نے کہ جو اکبر سے نفرت کرتا تھا اسے مشورہ دیا کہ وہ ہندوستان میں قیام کرے اور حالات کا مشاہدہ

کرے۔

کچھ عرصہ بعد ہی مرزا حکیم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اس کا علم ہوا کہ پورے ملک میں امن و امان ہے اور کہیں بھی کسی قسم کی گڑ بڑ نہیں ہے اور یہ کہ اس کے بھائی کو اس کے حملہ کی خبر ہے' مگر وہ اسے روکنے کے لئے کسی فوج کو لے کر نہ بڑھا' اور نہ اس واقعہ کو کوئی زیادہ اہمیت دی۔ جلال الدین نے ظاہر یہ کیا کہ جیسے اسے ان وجوہات کا پتہ ہے کہ جن کی وجہ سے اس کے بھائی نے حملہ کیا تھا' اس نے اس کے پاس اپنے سفیر بھیجے تاکہ دونوں بھائیوں کے درمیان ملاقات کا تعین کیا جائے۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ مرزا حکیم کو کسی بہانے سے دارالسلطنت وکی جانب آنے دیا جائے تاکہ پھر یہاں پر اسے گھیرے میں لے لیا جائے۔ جب مرزا حکیم کو اطلاع ملی کہ بادشاہ نے شکار کی مہم کی تیاری شروع کر دی ہے اور اس کے لئے سفر کے خیمے گاڑ دیئے گئے ہیں۔ تو وہ فوراً بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے دریا چناب کو تیر کر پار کیا کیونکہ جلدی میں نہ تو وہ کشتیوں کا انتظام کر سکا اور نہ کوئی پل بنا سکا' نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے چار سو فوجی دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ اتنے ہی لوگ جہلم اور سندھ کو پار کرتے ہوئے مارے گئے۔ یہ اس مہم کا حشر ہوا کہ جسے بغیر سوچے سمجھے' محض عیسائی مذہب کی نفرت کے طور پر شروع کیا گیا تھا۔

مرزا حکیم اسی پر خوش ہوتا کہ ان نقصانات کے بعد اس کی جان چھوٹ گئی لیکن اکبر جو کہ اپنے بھائی کے حملہ کی وجہ سے ناراض تھا' اس نے ایک کھیل اور کھیلا وہ یہ کہ اس بار پھر اس نے شاہ منصور کو معافی دے کر قید سے آزاد کر دیا اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس نے اسے سازش کی بناء پر گرفتار کیا تھا بلکہ ظاہر یہ کیا کہ محض شبہ کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ زیادتی ہوئی۔ لیکن خفیہ طور پر وہ اس غدار کو سزائے موت دینا چاہتا تھا اور اپنے بھائی کے خلاف بھی جنگ کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس کا سارا منصوبہ اس کی مرضی کے مطابق مکمل ہوا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے دودھ شریک بھائی مرزا عزیز کو فوج کے ساتھ بنگال سے بلایا۔ وہ کالے جھنڈوں کو لہراتا ہوا کہ جو تیموریوں میں موت کی نشانی ہوتے ہیں۔ مرزا حکیم کے تعاقب میں روانہ ہوا' اس سے جلدی دشمنوں کو شکست دے کر انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ بادشاہ نے خود یہ

مناسب نہیں سمجھا کہ اپنے ہی علاقہ میں اپنے بھائی سے جنگ کرے۔ بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح مرزا حکیم نے اس کے ملک پر جارحانہ حملہ کیا ہے۔ اسی طرح سے وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے کابل جاکر اس سے جنگ کرے گا۔

مرزا حکیم کے خلاف جنگ کی تیاریاں

جب جنگ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو پادری بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ سفر میں شریک ہوں' اور اگر اس کی خوشی ہو تو اس مہم کا مشاہدہ کریں۔ بادشاہ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان کے خلوص اور لگاؤ کا کئی بار تجربہ کر چکا ہے۔ لیکن اس کا خیال ہے کہ مذہبی علماء کو کہ جو امن و امان کے حامی ہیں' اور جو علمی و ادبی موضوعات پر غور و فکر کرتے ہیں۔ انہیں اس خوشگوار ماحول سے نکال کر جنگ و جدل میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ اس نے اپنی ماں کے ذمہ اس کام کو سونپا کہ وہ ہمارا خیال رکھے۔ اس نے درخواست کی کہ اس کے فیصلہ کو بغیر کسی ناراضگی کے قبول کرلینا چاہیئے اور اس کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے۔ اور وہ خوشی سے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ ہر وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ دوسرے دن اتفاق سے اس کی ملاقات اپنے لڑکے کے استاد سے ہو گئی۔ اس کو دیکھ کر اس نے کہا "فادر' تم سفر کی تیاری کرو' میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو" اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ سفر کے لئے ہر قسم کی سواری اور رسد کا انتظام کیا جائے۔

بادشاہ نے جیسا کہ اس کا دستور ہے' یہ اعلان کیا کہ وہ شکار کے لئے جا رہا ہے اس مقصد کے لئے شاہی خیمے شہر سے دور کئی میل کے فاصلے پر نصب کر دیئے گئے اس کی غیر موجودگی میں حکومت کے انتظامات اس طرح سے مقرر ہوئے۔ اس کی ماں' اپنے پوتے دانیال کے ساتھ فتح پور میں رہی' عزیز خاں کو بنگال کا گورنر بنایا گیا قطب الدین خان کو گجرات کا والی مقرر کیا۔ اس کی ماں کے ذمہ دہلی کے صوبہ کا انتظام تھا۔ دس ہزار سوار گجرات میں رہے جب کہ بیس ہزار بادشاہ کی ماں کے پاس قیام پذیر ہوئے۔ عزیز خاں کوکہ کے پاس بیس ہزار سوار تھے تاکہ وہ بنگال سے بغاوتوں کو ختم کرے۔ اس

کی مدد کے لئے چار پانچ سپہ سالار پانچ یا چھ ہزار سواروں کے ساتھ تھے۔ چار ہزار پیادہ اور مزدوروں کی تعداد مزید شامل تھی۔ اہم شہروں میں اس نے مناسب تعداد میں فوج چھوڑی۔ سلیم مراد' اور ان کے استاد (مونسیراٹ) کو اس نے اپنے ہمراہ لیا۔ اپنی چھوٹی لڑکی کو دادی کی نگرانی میں فتح پور چھوڑا۔ اس کے ساتھ اس کی اہم بیگمات تھیں۔ اس نے حکم دیا کہ بڑی تعداد میں سونا و چاندی ساتھ میں لیا جائے۔ رخصت سے پہلے اس کی ماں نے دو دن کیمپ میں سفید خیمہ کے اندر اپنے لڑکے کے ساتھ گذارے۔ پادری کے ساتھ اس کے ساتھی بھی کیمپ میں گئے کہ یہاں انہوں نے بھی دو دن گذارے۔

مغل کیمپ

بادشاہ نے روایتی مغل کیمپ لگانے کا حکم دیا۔ یہ ایک پرانا دستور ہے کہ شاہی خیمہ جسے "پیش خانہ" کہا جاتا ہے۔ اسے ایک خوشگوار کھلی جگہ پر نصب کیا جاتا ہے۔ اس کے دائیں جانب بادشاہ کے بڑے لڑکے اور اس کے عملہ کے خیمے ہوتے ہیں جنہیں شاہی خیمہ کے برابر لگایا جاتا ہے۔ بائیں جانب دوسرے لڑکے اور اس کے عملے کے خیمے ہوتے ہیں۔ دوسری قطار میں دوسرے شہزادوں کے لئے جگہ ہوتی ہے اگر وہ فوج کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ نہیں ہوتے ہیں تو اس صورت میں یہ جگہ بادشاہ کے قریبی اور عالی مراتبت امراء کے لئے مخصوص ہو جاتی۔ (امراء کا رتبہ یا تو ان کے منصب کی وجہ سے ہوتا ہے یا بادشاہ کی پسندیدگی کی وجہ سے) اس کے بعد پیچھے کی جانب فوجیوں کے خیمہ ہوتے ہیں۔ کہ جو وہ اپنے افسروں کے قریب' برابر لگا لیتے ہیں۔ اس خیال سے کہ بہت زیادہ جمگھٹا اور نہ ہو۔ بادشاہ' شہزادوں اور امراء کے لئے علیحدہ سے بازار لگتا ہے۔ کہ یہاں ہر قسم کی اشیاء وافر مقدار میں ہوتی ہیں۔ وہ بازار جو بادشاہ اور شہزادوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں' وہ کافی بڑے اور وسیع ہوتے ہیں۔ جہاں اناج اور کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ ہر دوسری ضروریات کی چیزیں بھی ملتی ہیں۔ اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی کیمپ کا نہیں بلکہ کسی مالدار شہر کا بازار ہے۔ کیمپ جہاں بھی لگتا ہے اس کا ایک ہی نقشہ ہوتا ہے۔ اس لئے جو بھی دو چار دن کیمپ میں رہتا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ بازار کہاں ہے؟ اور کون سا امیر کہاں ہے؟ یہ بازار اردو

کہلاتے ہیں۔ جب کسی مہم پر جایا جاتا ہے تو کیمپ کے آگے آگے توپ خانہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کے پاس بیس بڑی توپیں ہیں۔ لیکن محاصرے کے لئے یہ توپیں زیادہ مفید نہیں۔ کیمپ کے مرکز میں جلتی مشعل (آکاس دیا) ہوتی ہے جو رات بھر جلتی رہتی ہے۔ تاکہ راستہ بھٹکنے والے اس کے ذریعہ سے صحیح سمت میں چلے جائیں۔ اگر کیمپ میں کبھی افراتفری ہو جائے تو ہر شخص روشنی کے طرف بھاگتا ہے۔ کہ یہ کیمپ کا دل اور دماغ ہوتی ہے۔ جب واپسی ہوتی ہے تو اس وقت توپ خانہ کیمپ کے عقب میں ہوتا ہے۔ بادشاہ کے استعمال کے لئے دو ایک جیسے خیمہ ہوتے ہیں۔ تاکہ جب وہ ایک میں قیام کرے تو دوسرا اگلی منزل پر نصب کر دیا جائے۔ بادشاہ کے خیمے میں قناتوں کی بجائے پردے لٹکے ہوتے ہیں۔ اور یہی پردے خیمہ کو کئی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان خیموں کا گھیراؤ کافی وسیع ہے اور جب انہیں نصب کیا جاتا ہے تو وسیع علاقہ ان کے تصرف میں جاتا ہے۔ بادشاہ کے پاس ایک ایسی عمارت بھی ہے کہ جو چھت والی ہے اور لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ چھت پر جانے کے لئے اس میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ مختصرا" یہ مغل کیمپ کا احوال ہے۔

جلال الدین نے مناسب سمجھا کہ وہ شاہ منصور کو اپنے ہمراہ لے جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی ماں کی گرفت سے نکل کر مغل سلطنت کے خلاف بغاوت کر دے۔

مرزا حکیم کے خلاف پیش قدمی

8 فروری (1581) کو فوج نے پیش قدمی شروع کی۔ دوسرے دن جیسا کہ بادشاہ کی عادت ہے' اس نے اپنا پورا دن شکار کھیلنے میں گذارا۔ اس نے حکم دیا کہ کوئی شخص شکار پارٹی کے قریب نہ آئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مجمع جمع نہ ہو۔ کسی قسم کی سازش و بغاوت یا بادشاہ کو قتل کرنے کی کوشش نہ ہو' اور یہ کہ اس کی وجہ سے جنگلی جانور خوف زدہ ہو کر نہ بھاگیں۔ یہاں کے جنگلی جانور بھی یورپ کی طرح کے ہیں۔ سوائے نیل گائے کہ جو ہمارے سرخ ہرن کی طرح ہے' مگر جثہ اور سر کی بناوٹ میں مختلف ہے۔ جلال الدین اپنے شکاری چیتوں پر بے تحاشہ روپیہ خرچ کرتا ہے۔ ان چیتوں کو گاڑیوں میں بٹھا کر ان کے رکھوالوں کے ساتھ اس جگہ لایا جاتا ہے کہ جہاں شکار ہوتا

ہے۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی ہے تاکہ وہ اوروں پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ جب انہیں رہا کیا جاتا ہے تو وہ بڑی خوں خواری کے ساتھ شکار پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کیونکہ اس دوران میں انہیں بھوکا رکھا جاتا ہے۔ مغل باز کے شکار کے شوقین نہیں ہیں۔ لیکن یہ بادشاہ کے وقار کی علامت ہے کہ جب وہ شکار پر جاتا ہے تو کئی لوگ بازوں کو اپنے ہاتھوں پر بٹھائے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اخراجات کی بچت کی غرض سے ان شکاری پرندوں کو کوؤں کے گوشت پر رکھا جاتا ہے۔

روزانہ جس قدر مسافت طے کی جاتی ہے' ایک عہدے دار اس کی پیمائش کرتا ہے اس کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ کے قریب رہے اور جیسے ہی بادشاہ اپنا خیمہ چھوڑے وہ مسافت کو ناپنے کا کام شروع کر دے۔ یہ پیمائش بعد میں کام آتی ہے کہ جب صوبوں میں علاقوں کی تقسیم کی جاتی ہے' اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کے فاصلہ کا تعین کیا جاتا ہے۔ سفیروں اور شاہی فرامین کو بھیجنے میں آسانی ہوتی ہے اور اگر ایمرجنسی ہو تو' اس سے نمٹا جا سکتا ہے۔ دو میل کا ایک کوس ہوتا ہے' اور اسی سے فاصلہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

مارچ کی تنظیم

جب بادشاہ مارچ کرتا ہے تو اس کی ترتیب یہ ہوتی ہے (یہاں میں نے معمولی تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے' جیسے پیش قدمی اور رکنے کے اشارے وغیرہ) اگر فوج اپنی ہی سرحدوں میں ہے تو وہ جنگی ترتیب کے مطابق مارچ نہیں کرتی۔ سوائے چند دستوں کے کہ جو بطور گارڈ ہوتے ہیں۔ یہ دستے اور اس کے ساتھ شاہی عملہ کے لوگ ہلال کی شکل میں بادشاہ سے کچھ دور کے فاصلہ پر چلتے ہیں۔ جب بادشاہ رکتا ہے یا قیام کرتا ہے تو یہ شاہی قیام گاہ کو دو طرف سے گھیرے میں لے لیتے ہیں' ایک طرف ہاتھی ہوتے ہیں کہ جو جنگی اسلحہ سے آراستہ ہوتے ہیں۔ دوسری طرف گھڑ سوار ہوتے ہیں کہ جو تیر کمان اور نیزوں سے مسلح ہوتے ہیں۔ مغل فوج میں بھاری ہتھیاروں والے گھڑ سوار نہیں ہوتے۔ جب بادشاہ ان کے درمیان میں سے گزرتا ہے تو ہر سوار اسے سلام کرتا ہے' جب فوج مارچ کرتی ہے تو پہلے گھڑ سواروں کا دستہ ہوتا ہے' پھر ہاتھی' سب سے آگے

نقارخانہ والے ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ یہ سب خاموش رہتے ہیں سوائے ڈھول والے کے جو تھوڑی تھوی دیر بعد ڈھول کو ایک آہنگ کے ساتھ بجاتا رہتا ہے۔ ہر اول دستہ سب سے آگے جاتا ہے اور راستہ سے ہر شخص کو ہٹا دیتا ہے۔

شاہی خواتین ہتھنیوں پر خوبصورت پردے والے ہودوں میں سوار ہوتی ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے پانچ سو وفادار اور قدیم فوجیوں کا دستہ ہوتا ہے جو کہ دیکھنے میں بڑا باوقار لگتا ہے۔ شاہی بیگمات کے راستے میں آنے والے ہر شخص کو کافی فاصلہ سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ شاہی خواتین کی کنیزیں اور خادمائیں اونٹوں پر سوار سفید رنگ کی چھتریوں کے پیچھے بیٹھی ہوتی ہیں۔ بقایا سامان اور اسلحہ گاڑیوں میں لادا جاتا ہے جب کہ بادشاہ کا فرنیچر خچروں پر ہوتا ہے۔

ابتدائی دنوں میں تو فوج تعداد میں بہت کم نظر آتی ہے۔ لیکن جلدی بڑھ کر اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ اس سے پوری زمین ڈھک جاتی ہے۔ یہ ڈیڑھ میل کی چوڑائی میں پھیلی ہوتی ہے' تمام کھیت اور جنگل لوگوں سے اٹ جاتے ہیں۔ اگر کوئی جنگلی جانور اس بھیڑ سے بھاگنا چاہے تو یہ اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ چڑیاں بھی خوف کی وجہ سے پرواز نہیں کرتی ہیں۔ اکثر فوجیوں کی چیخ و پکار سن کر وہ درختوں سے گر جاتی ہیں۔

پادری جو کہ اس کیمپ کے ساتھ تھا کیمپ میں اناج کے سستا ہونے پر حیران رہ گیا خاص طور سے' اس وجہ سے کہ یہاں پر ہاتھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس کے سستا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ نے بہت عمدگی سے سارا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ خاص خاص نمائندوں کو لانے کے لئے ہر جانب شہروں اور قصبوں میں بھیجا کرتا ہے۔ اس نے اعلان کر رکھا ہے کہ جو تاجر کیمپ میں اناج' دالیں اور دوسری اشیاء کو سستے داموں فروخت کریں گے' وہ انہیں تمام ٹیکسوں سے معافی دے دے گا۔

جب بادشاہ اپنی سرحدوں سے آگے جاتا ہے' تو اس وقت اس کی دور رسی اور احتیاط کا اور بھی زیادہ اندازہ ہوتا ہے' کیونکہ وہ فوراً کیمپ سے آگے اعلان کرنے والوں کو بھیجتا ہے جو گاؤں اور دیہات کے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ بادشاہ کی آمد سے انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں ہو گا۔ جو مزاحمت نہیں کریں گے یا باغیوں کے ساتھ نہیں دیں گے

انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جو لوگ اپنا سامان فروخت کے لئے کیمپ میں لائیں گے' انہیں ہر قسم کی خرید و فروخت کی آزادی ہو گی اور بادشاہ خصوصی طور سے انہیں ٹیکس سے معافی دے گا۔ جب وہ فتح کے بعد واپس ہو گا تو ان کا شکریہ ادا کرے گا۔ لیکن اگر انہوں نے اس کی اطاعت سے انکار کیا تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ وہ جس علاقہ سے گذرتا تھا وہاں کے راجاؤں اور چھوٹے حکمرانوں سے معاہدے کرتا تھا یا تحفے تحائف کے ذریعہ انہیں اپنے حق میں کرتا تھا تمام لوگ اس کی بڑی اور طاقت ور فوج کو دیکھا کر ڈر جاتے تھے اور انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ وہ یقیناً فتح یاب ہو گا۔ اگر ابتداء میں وہ شک و شبہ میں مبتلا بھی ہوتے تھے' تو آخر میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے یہی فیصلہ کرتے تھے کہ اس کی اطاعت کی جائے' کیونکہ بغاوت یا نافرمانی کی صورت میں تباہی کا پورا پورا خطرہ تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ فرماں برداری کے نتیجہ میں اس کی فیاضی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ بہرحال مجھے اس بات کی جانب توجہ دلانا ہے کہ اتنی بڑی فوج کے ایک دشمن علاقے میں ہونے کے باوجود غذا کی کمی نہیں ہوتی تھی۔ بادشاہ بھی اس بات کی پوری پوری کوشش کرتا ہے کہ اس کی فوج کو پانی کی بھی کوئی تکلیف نہ ہوا کیونکہ پہاڑوں کے قریب پانی وافر مقدار میں ہوتا ہے او وہاں شکار بھی خوب ملتا ہے' اس لئے اس نے فوج کو پہاڑیوں کی طرف جانے کا حکم دیا۔ چونکہ چٹانوں اور پانی کے چشموں کی وجہ سے راستہ خراب تھا' اس لئے اس نے مزدوروں کو سب سے آگے بجھوایا تاکہ وہ راستہ کو ہموار کریں۔ اس کام کا انچارج وہ منصب دار تھا جو آگرہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا (محمد قاسم خاں) ابتداء میں یہ ایک معمولی عہدیدار تھا' مگر ترقی کر کے اس اعلیٰ منصب پر پہنچا' مگر اس وقت وہ زیرِ عتاب ہے' کیونکہ شبہ ہے کہ وہ بادشاہ کے خلاف سازش میں شریک ہے۔

ان معاملات کے علاوہ بادشاہ پلوں کی تعمیر کے کام کو بھی دیکھتا ہے۔ وہ خیال رکھتا ہے کہ پل کی تعمیر دریا پر اس طرح سے نہ ہو کہ وہ موجوں کے ساتھ بہہ جائے اور پار کرنے والے لوگوں کے لئے تباہی کا باعث بن جائے۔ ہندوستان میں یہ دستور ہے کہ کشتیوں کا پل بنایا جاتا ہے۔ اس میں کشتیوں کو رسوں سے باندھ دیا جاتا ہے اور ان پر درختوں کی شاخیں اور جھاڑیاں ڈالی جاتی ہیں۔ جن سے راستہ بن جاتا ہے۔ بادشاہ نے

حکم دے رکھا ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک دستہ اس پر سے گذرے مثلاً" گھڑ سوار' پیادے' اونٹ' اور سامان اٹھائے ہوئے جانور' بھیڑوں بکریوں کا گلہ علیحدہ علیحدہ ایک قطار میں جائے تاکہ پل بوجھ کو بہ آسانی برداشت کر سکے اور کوئی جانی و مالی نقصان نہ ہو۔ جیسے ہی فوج دریا کے قریب آتی ہے' بادشاہ کے عہدے دار وہاں آموجود ہوتے ہیں۔ اور اس بات کی نگرانی کرتے ہیں کہ لوگ ایک ساتھ پل پر جانے کی کوشش نہ کریں۔

جب بادشاہ غیر علاقے میں داخل ہوتا ہے وہ تین سو اسکاؤٹس کو ادھر ادھر بھیجتا ہے تاکہ دشمن کے اچانک حملہ کا شکار نہ ہو۔ یہ لوگ کیمپ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہر سمت میں موجود رہتے ہیں۔ اور دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح جب فوج گھاٹیوں سے گذرتی ہے تو اس کی حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اس احتیاط کی وجہ سے فوج کہیں بھی ہو' وہ بلاخوف و خطر جدھر جانا ہے وہاں چلی جاتی ہے۔ سایہ اور پانی کی تلاش کرتی ہے' اور آرام سے بلا کسی ڈر کے سوئی ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے پتہ ہے کہ حفاظتی انتظامات پوری طرح سے مکمل ہیں۔

تنظیم

جلال الدین اپنی فوج میں زبردست تنظیم رکھے ہوئے ہے اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ جس وقت کہ فوج دریائے سندھ کے کنارے پر مقیم تھی' تو اس نے اپنے ایک عہدے دار کو حکم دیا کہ وہ فلاں جگہ جاکر دیکھے کہ کیا وہاں سے گھڑ سوار دریا کو پار کر سکتے ہیں۔ عہدے دار کوئی 25 میل تک گیا لیکن اسے کوئی مناسب جگہ نہیں مل سکی' اسے وہاں کے باشندوں نے بھی بتایا کہ اس علاقہ میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ مزید تلاش فضول ہے وہ بادشاہ کے پاس واپس آیا اور اسے اطلاع دی کہ دیا میں ایسا کوئی مقام نہیں کہ جہاں سے فوج دریا پار کر سکے' اس لیے پل کی تعمیر ضروری ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ اس جگہ گیا تھا کہ جو اس نے اسے بتائی تھی' جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہاں نہیں گیا تھا تو اس نے حکم دیا اسے پکڑ کر رسیوں سے ایک مشک پر باندھا جائے اور دریا میں پھینک دیا

جائے۔ جب یہ خبر فوج میں پھیلی تو تمام لوگ دریا کے کنارے پر جمع ہو گئے تاکہ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھیں۔ وہ عہدے دار دریا میں موجوں کی بہاؤ کے زور سے کبھی ایک طرف ہوتا تھا اور کبھی دوسری طرف وہ مسلسل رو رہا تھا' اور چیخ و پکار کر کے بادشاہ سے معافی کی درخواست کر رہا تھا۔ جب وہ اس حالت میں بادشاہ کے خیمہ کے سامنے سے گزرا تو بادشاہ نے اس کی رہائی کا حکم دیا مگر اسے شاہی غلام کے طور پر بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا کہ جہاں پر اس کی نیلامی کیلئے بولی لگی۔ اس لیے اس کے ایک دوست نے اسی اشرفیوں میں خریدا جو کہ شاہی خزانہ میں جمع کرا دی گئیں۔ بعد میں بادشاہ نے اسے معافی دیدی۔ اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوج کی تنظیم کے معاملہ میں اس قدر سختی سے کام لیتا تھا۔ کیونکہ اس بڑی فوج کو بغیر سختی سے منظم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

جب اس مہم کے لئے فوج کی بھرتی کی گئی تو پچاس ہزار گھڑ سوار' پانچ سو جنگی ہاتھی' اونٹ اور بے شمار پیادہ فوجیوں کا تقرر ہوا۔ گھڑ سواروں میں مغل' ایرانی' تورانی' چغتائی' ازبک' افغان' بلوچ' اور ہندوستانی تھے فوج میں مسلمان اور ہندو دونوں تھے' وہ ہندوؤں پر خاص طور سے بڑا اعتماد کرتے تھے۔ فوج میں پٹھان جو کہ ہرات اور ہندوکش کے علاقے سے آئے تھے' وہ بھی تھے۔ اس فوج کی وجہ سے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ جلال الدین کی مخالفت میں انگلی بھی اٹھائے اسے قتل کرنے کی کوشش کرے یا نقصان پہنچائے باوجود اس کے کہ وہ مسلمانوں میں مقبول نہ تھا اور اسے مرتد سمجھا جاتا تھا۔

ہاتھیوں کی لڑائی

ایرانیوں' مغلوں' ازبکوں' ترکمانوں اور گجراتیوں' راجپوتوں' بلوچوں اور ہندوستانیوں کے جنگ کرنے کے طریقوں میں بڑا فرق ہے۔ راجپوتوں کی گھڑ سوار فوج اور مراہٹی (مراہٹہ یا راٹھور) فوج چھوٹے چھوٹے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ کہ جو سائز میں خچروں کے برابر ہوتے ہیں۔ ان پر سوار وہ میدان جنگ میں آتے ہیں اور گھوڑوں سے اتر کر حملہ کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ جن ہتھیاروں سے مسلح ہوتے ہیں ان میں چھوٹے نیزے اور ہلکی ڈھالیں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ راجپوت اور مراہٹی یہ جانتے

ہیں کہ کس طرح موت سے ہم کنار ہوا جائے' مگر یہ نہیں جانتے کہ کس طرح لڑا جائے۔ بلوچی اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور تیروکمان سے مسلح رہتے ہیں۔ ہندوستانی ہاتھیوں کو لڑائی کے لئے تیار کرتے ہیں۔ ہندوستان کے شہروں میں اور بادشاہ کے کیمپ میں بھی ہاتھیوں کی بڑی تعداد ہے۔ ان کو تربیت دی جاتی ہے کہ کیسے سامان اٹھایا جائے اور کیسے لڑا جائے اگرچہ سامان اٹھانے کا زیادہ تر کام ہتھنی کرتی ہے۔ ہاتھیوں کو جنگی تربیت دی جاتی ہے اور اس مقصد سے انہیں اسلحہ سے مسلح کیا جاتا ہے تاکہ وہ فوج کا دفاع بھی کر سکیں اور دشمن پر حملہ بھی۔ اگر وہ مسلح نہ ہوں تب بھی انتہائی خطرناک نظر آتے ہیں۔ وہ دشمنوں کے فوجیوں کو اپنے سونڈ سے پکڑ کر انہیں زمین پر دے مارتے ہیں۔ اور پھر اپنے پیروں تلے انہیں کچل دیتے ہیں۔ وہ اس وقت تک اپنے شکار کو نہیں چھوڑتے ہیں کہ جب تک اس کا قیمہ قیمہ نہیں کر دیں۔ کبھی کبھی وہ انہیں ہوا میں اچھال دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر کر ختم ہو جاتا ہے کچھ کو وہ زمین پر گرا کر ایک پیر اس کی ایک ٹانگ پر رکھ کر' اپنی سونڈ سے اس کی دوسری ٹانگ کھینچ کر اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ سال میں تین مہینہ ایسے ہوتے ہیں کہ ہاتھی مست ہو جاتا ہے' اس وقت وہ اس قدر جنونی ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی اپنے مہاوت تک کو قتل کر دیتا ہے۔ اس زمانہ میں اگر انہیں جنگ کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ بہت کار آمد ہوتے ہیں۔ جب ان کا مستی کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور اس وقت انہیں جنگ کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس مقصد کے لئے اسے بلی کا گوشت کھانے میں ملا کر دیا جاتا ہے۔ وہ اصطبل میں ہتھنیوں کے ساتھ بڑی خاموشی سے اور پر امن طریقے سے رہتے ہیں۔ ان کا غصہ اور جنون کسی ہتھنی کو دیکھتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ ہاتھیوں کو تربیت دی جاتی ہے وہ اپنی پیٹھ پر توپیں لے کر چلیں۔ جب توپ کو اس کی پیٹھ پر ہی سے چلایا جاتا ہے۔ اور زور دار دھماکہ کی آواز ہوتی ہے' تو وہ اس سے قطعی خوف زدہ نہیں ہوتا ہے۔

اس موقع پر بادشاہ نے حکم دیا کہ پچاس تربیت یافتہ اور مسلح ہاتھیوں کو فوج کے عقب میں رکھا جائے۔ یہ تمام ہندوستانیوں کے زیر کمان تھے۔

مغل' ایرانی' پارتھین' ترک' سوغدی' باختری اور تتار یہ سب ایک ہی طرح سے

جنگ کرتے ہیں۔ تفصیلات سے گزیر کرتے ہوئے' میں صرف اس پہلو کی جانب اشارہ کروں گا کہ یہ اس وقت سخت خطرناک ہو جاتے ہیں کہ جب ایسا معلوم ہو کہ یہ فرار ہو رہے ہیں۔ وہ اچانک اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی باگ موڑ کر واپس پلٹتے ہیں اور اس تیزی سے دشمن پر برچھی مارتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں جاکر گڑ جاتی ہے۔

میں دوبارہ سے ہاتھیوں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا کہ وہ اپنے مہاوت کی آواز سے اس قدر آشنا ہو جاتے ہیں کہ وہ انہیں جو حکم دیتا ہے یہ اس پر فوراً عمل کرتے ہیں۔ مثلاً وہ گانٹھ باندھتے بھی ہیں اور اسے کھولتے بھی ہیں۔ کسی بھی چیز کو دھکا لگاتے ہیں' اٹھاتے ہیں' اور پھر دوبارہ سے اسے زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ وہ پھندا لگا کر اسے ڈھیلا بھی کرتے ہیں۔ راستے میں پڑی ہوئی گھاس کو صاف کرتے ہیں۔ اور بکھرے ہوئے سکوں کو جمع کرتے ہیں۔ ان کو رقص کرنا بھی سکھایا جا سکتا ہے۔ مختصراً" یہ کہ ہاتھی وہ کام کر سکتے ہیں کہ جس کی تربیت ان کا مہاوت انہیں دے چکا ہو۔ جنگلوں میں یہ ریوڑ کی شکل میں رہتے ہیں۔ ان کے کنبہ یا ریوڑ کا سربراہ ہوتا ہے کہ جس کی حیثیت باپ کی طرح ہوتی ہے۔ ریوڑ کے تمام اراکین اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور جب کسی دوسرے ریوڑ سے ان کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہ سربراہ جنرل کی طرح اپنے ہاتھیوں کی کمان کرتا ہے۔ جب ان کا شکار کیا جاتا ہے اس وقت بھی یہ اپنے سربراہ کے اشاروں پر یا تو حملہ کرتے ہیں' یا پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کا سربراہ ریوڑ کے درمیان میں بڑے باوقار اور پر رعب انداز میں چلتا ہے۔ اس کے قریب جاتے ہوئے ہر ہاتھی کو خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ جب وہ ادھر سے ادھر حرکت کرتا ہے تو دیکھنے میں بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جو بھی اس کے یا اس کے کنبہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے

جلال الدین نے یہ انتظامات کر رکھے ہیں کہ ہاتھیوں کے ریوڑوں کو جنگل میں کھانے کی کمی نہ ہو۔ وہ اکثر ان ہاتھیوں کا معائنہ کرتا ہے۔ اور ان میں سے جو اسے پسند آجائے وہ اسے اپنے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ ایک ریوڑ میں بیس ہاتھی ہوتے ہیں' انہیں وہ ان کی جسامت دانتوں کی لمبائی اور عمر کے لحاظ سے علیحدہ رکھتا ہے۔ وہ ہاتھی سب سے عمدہ شمار کئے جاتے ہیں کہ جن کا پچھلا حصہ نیچے کی طرف جھکا ہو' ٹانگیں اور

گردن مضبوط ہو۔ اسٹرابو لکھتا ہے کہ ہتھنی کے حمل کے آٹھ مہینے ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ چھ سے دس بھی ہو جاتے ہیں۔ ماں اپنے بچے کو چھ مہینے دودھ پلاتی ہے۔ ہتھنی دس سال میں بالغ ہو جاتی ہے ان کی عمر بھی انسانوں کی طرف ہوتی ہے کچھ حالات میں تو یہ دو سو سال تک زندہ رہتا ہے۔ لیکن صحت کے معاملہ یہ نازک ہیں۔ اگر ایک مرتبہ کسی بیمای کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان کا صحت یاب ہونا مشکل ہو تا ہے۔

مہاوتوں کا کہنا ہے کہ ہاتھی دو سو سال تک زندہ ہتے ہیں۔ پچاس سال کی عمر میں پختگی کو پہنچتے ہیں۔ سو سال تک اپنی توانائی کو مکمل طرح سے برقرار رکھتے ہیں ایک سو پچاس سال کے بعد ان پر بڑھاپا طاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور دو سو سال کی عمر میں مر جاتے ہیں۔ لیکن وہ آسانی سے کسی بھی بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر بخار سے۔ اگر انہیں سردی لگ جائے اور جاڑے کے بخار میں مبتلا ہو جائیں تو بیس گھنٹوں کے اندر اندر مر جاتے ہیں۔ جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو درد سے کراہتے ہیں اور فرش پر انسانوں کی طرح کروٹیں لیتے ہیں۔ وہ تکلیف سے روتے ہیں۔ اگر انہیں دوا دی جائے تو بغیر کسی مزاحمت کے اسے پیتے ہیں۔ ہتھنیاں خاص طور سے بڑی فرمانبردار ہوتی ہیں وہ آگ سے ڈرتی ہیں۔ اسی طرح توپ یا بندوق کے دھماکے سے خوف زدہ ہو جاتی ہیں ایسے موقعوں میں وہ اس گھبراہٹ میں بھاگتی ہیں کہ اگر کوئی اتفاق سے ان کے راستے میں آجائے تو اس کی جان کو خطرہ ہو جاتا ہے۔

جب ہاتھی سال بھر کا ہوتا ہے تو وہ جسامت میں سور کے برابر ہوتا ہے جب ہاتھی دس سال کے ہوتے ہیں تو انہیں تربیت کے لئے لایا جاتا ہے۔ ان ہاتھیوں کو لڑائی کے لئے تربیت دی جاتی ہے اسے یہ وحشی لوگ انسانی گوشت کھلاتے ہیں تاکہ وہ انسانوں کے خلاف خون خوار رویہ اختیار کریں۔ مجرموں کو ان کے پیروں تلے کچلوایا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ مفروضہ کہ اگر ہاتھی کو خون دکھا دیا جائے تو وہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اسی سے نکلا ہو گا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے خون اور پانی کی حیثیت ایک ہ ہے۔ ان کی اس تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ان کی پیٹھ پر سے گر کر ان کے پیروں تلے آجائے تو یہ اسے کچل دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اسے ان کے سامنے اسی لئے پھینکا گیا ہے۔ ایک پادری اس طرح ہاتھی کے پیروں تلے

کچلنے سے اس وقت بال بال بچا کہ جب وہ دریائے نربدا عبور کر رہا تھا۔ وہ ہاتھی پر سوار تھا چونکہ وہ ہاتھی کی عادت و اطوار سے ناواقف تھا کہ اس پر سوار ہونے کے لئے جلدی کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہاتھی جیسے ہی یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی اس پر سوار ہو گیا ہے تو وہ فوراً" کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کوشش میں وہ پیچھے گر گیا۔ مگر ہاتھی کے پیروں تلے کچلے جانے سے بچ گیا۔

یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ ہاتھی ایک دوسرے سے سخت دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں۔ اگر دو ہاتھیوں میں رنجش ہو اور وہ ایک دوسرے کو پسند نہ کرتے ہوں تو جیسے ہی وہ آمنے سامنے آتے ہیں تو انتہائی تیزی اور جارحانہ انداز میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں اس وقت وہ اپنے مہاوت پر جوکہ اوپر بیٹھا ہوتا ہے ذرا بھی توجہ نہیں دیتے ہیں۔

ہاتھیوں کو سب سے زیادہ خوف گینڈے سے آتا ہے۔ حالانکہ جسامت میں وہ ان سے کم ہوتا ہے۔ گینڈا ہاتھیوں کے خلاف نفرت آمیز رویہ رکھتا ہے جب کہ ہاتھی گینڈے کو دیکھتا ہے تو وہ کانپنے اور لرزنے لگتا ہے۔ خود کو سکیڑ لیتا ہے نیچے جھک جاتا ہے اور اپنی سونڈ کو سینہ میں چھپائے پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ اس حالت میں اس وقت تک رہتا ہے کہ جب تک گینڈا وہاں سے چلا نہ جائے۔ گینڈے سے خوف کی وجہ یہ ہے کہ وہ حملہ کر کے اپنے سینگ اس کے پیٹ میں گھسیڑ دیتا ہے اور ہاتھی اس پوزیشن میں نہیں ہوتا کہ اسے نقصان پہنچا سکے۔ جب ہاتھی سوتا ہے تو وہ اپنی سونڈ کو سینہ میں چھپا لیتا ہے۔ وہ چونٹیوں اور چوہوں سے بھی ڈرتا ہے۔ وہ پانی کا اس قدر شوقین ہے جیسے کہ بھینسیں اور اسی قسم کے دوسرے جانور۔

خداوند تعالیٰ کہ جو ہر چیز کا خالق ہے اور جس نے ہر چیز انسان کے فائدے کے لئے بنائی ہے۔ اور انسان کو اس لئے بنایا ہے وہ اس کا شکر ادا کرے۔ اس نے ہاتھی کو سدھانے اور تربیت کی غرض سے اس میں دو کمزوریوں کو پیدا کیا ہے۔ سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ برداشت نہیں کر سکتا ہے کہ اس کی ٹانگیں باندھی جائیں' اگر کبھی اتفاق سے اس کی ٹانگ رسی وغیرہ سے الجھ جاتی ہے تو وہ پریشانی کے عالم میں اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو آسانی سے گڑھے میں گرا کر زنجیر سے باندھ کر

پکڑ لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی سونڈھ اور ماتھابہت نازک ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے ماتھے کی جلد بڑی باریک ہوتی ہے اس لئے اگر اسے کھجایا جائے تو یہ اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے اسے آسانی کے ساتھ ہک والے ڈنڈے سے ہانکا جا سکتا ہے۔ ان ہکوں پر کیلیں لگی ہوتی ہیں۔ اور ان کو اس کے ماتھے پر مارا جاتا ہے۔ اگر وہ اس مار سے بھی قابو میں نہ آئے اور مہاوت کو پریشان کرے تو اس صوت میں وہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور اس کے ایک پیر میں زنجیر ڈال کر کھمبے پر بطور سزا باندھ دیتا ہے۔ اگر اس کی آنکھوں کے نیچے سونڈ پر مارا جائے تو وہ فورا" پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اگر اسے آگ سے ڈرایا جائے تو وہ کسی حفاظتی جگہ کی تلاش میں بہت زیادہ تیزی سے بھاگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بادشاہ ہاتھیوں کی لڑائی دیکھتا ہے تو اس کے ارد گرد فوج اپنے ہاتھوں میں ہک لگے دستے اور پٹاخے لئے کھڑے ہوتے ہیں تاکہ اسے ہاتھیوں کی زد سے بچایا جا سکے۔ جب وہ ان پٹاخوں کو چھوڑتے ہیں تو ان سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس سے ہاتھی ڈر جاتے ہیں۔ جب ہاتھیوں کی لڑائی کو روکنا ہوتا ہے تو تب بھی ان پٹاخوں کو چھوڑا جاتا ہے۔ اس خیال سے کہ جنگ میں گھڑسواروں کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر ڈر نہ جائیں۔ ان کے سائس ان گھوڑوں کی اس طرح سے تربیت کرتے ہیں کہ وہ ان کے عادی ہو جائیں۔ اور دشمن پر بے خوفی سے حملہ کریں۔

فوج کی صف بندی

اب میں دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ پیادہ فوج جس کے پاس کئی قسم کا اسلحہ ہوتا ہے، حقیقت میں وہی جنگ لڑنے والی فوج ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں گھڑسواروں کو زیادہ اہمت دی جاتی ہے۔ اس لئے بادشاہ پوری توجہ کے ساتھ کوشش کرتا ہے کہ ایک عمدہ بہترین اور تربیت یافتہ گھڑسواروں کی فوج ہو کہ جو اس کی سلطنت کی حفاظت کر سکے۔

اس کی فوج میں 45 ہزار گھڑسوار 5 ہزار ہاتھی اور کئی ہزار کی تعداد میں پیادہ فوجی ہیں۔ ان کو شاہی خزانہ سے تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور فوجی دستہ ہے کہ جس کی کمان موروثی طور پر باپ سے بیٹے کو ملتی ہے اس میں گھڑسوار پیادہ اور

ہاتھی سب شامل ہوتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں' فوج کا کمانڈر اس جاگیر کی آمدنی سے دیتا ہے کہ جو اسے اس مقصد کے لئے دی جاتی ہے۔ پرانے رسم و رواج کے مطابق جب بادشاہ نئے علاقے فتح کرتا ہے تو ان کی زمین بطور جاگیر اپنے امراء میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جاگیر کا یہ عطیہ دوامی بنیادوں پر نہیں ہوتا بلکہ بادشاہ کی مرضی پر ہوتا ہے۔ اس طرح نیا علاقہ امراء کو اس شرط پر دیدیا جاتا ہے کہ وہ شاہی خزانہ میں ایک مقررہ ریونیو جمع کرائیں گے۔ یہ جاگیردار امراء بعد میں انہیں جاگیروں کا انتظام اپنے ماتحتوں کے ذمہ لگاتے ہیں۔ اور شاہی خزانہ کا مقررہ ریونیو یا تو براہ راست ٹیکس لگا کر ادا کیا جاتا ہے۔ یا اس مقصد کے لئے جاگیر کا کوئی حصہ مختص کر دیا جاتا ہے۔ بادشاہ اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ امیر کو اس کے منصب کے درجہ کے مطابق جاگیر الاٹ کی جائے تاکہ وہ مقرر شدہ فوج رکھ سکے اور خود بھی باوقار طریقے سے رہ سکے۔ اس لئے جو جاگیر اس منصب دار کو ملتی ہے جس کے ذمہ فوج کے دو دستوں کو رکھنا ہے وہ جاگیر ایک دستہ فوج رکھنے والے امیر کو نہیں ملتی ہے۔ مغلوں نے اپنا آبائی طریقہ برقرار رکھا ہے کہ وہ فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اسے خاندانی کمانڈر کے تحت دیدیتے ہیں۔ فارسی میں اس کو "لشکر" کہتے ہیں۔ ہر لشکر کے کمانڈر کے کیمپ میں اس کا علیحدہ سے بازار ہوتا ہے۔ اسے ترکی زبان میں "اردو" کہتے ہیں۔ اس کو پرتگیزی اپنے تلفظ میں " اوردی" پکارتے ہیں۔ یہ بازار لشکر کے کمانڈر کے نام پر ہوتے ہیں جیسے "اردوئے زمعین" وغیرہ

لہذا دیکھا جائے تو تمام شہر اور تمام علاقے بادشاہ کے ہوتے ہیں اور تمام فوج بحیثیت سپہ سالار اس کے ماتحت ہوتی ہے۔ لیکن ہر لشکر کا اپنا جنرل اور سالار ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ اس کے فوجیوں کا براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ یہ کمانڈر موروثی طور پر بادشاہ سے وفاداری کا حلف لئے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلسل سازش اور گٹھ جوڑ کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اس خیال کے پیش نظر کہ امراء کو زیادہ طاقت ور نہیں ہونا چاہئے۔ اکبر ان امراء کو کہ جن کے بارے میں اسے اطلاعات ملتی ہیں کہ انہوں نے کافی دولت اکٹھی کر لی ہے۔ اور اپنے رویے میں غیر محتاط ہو گئے ہیں۔ وہ انہیں دربار میں بلاتا ہے' اور ان کو ایسے احکامات دیتا ہے کہ جیسے وہ اس کے معمولی

غلام ہوں۔ انہیں اس قسم کے احکامات کی پابندی کرنی پڑتی ہے کہ جو ان کے منصب عہدے اور وقار سے منافی ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ حکم دیتا ہے کہ ہاتھیوں گھوڑوں اونٹوں' چیتوں' ہرنوں اور پرندوں کی دیکھ بھال کریں اور سال میں ایک مقررہ دن پر انہیں بادشاہ کے معائنہ کے لئے پیش کریں۔ جب وہ انہیں معاف کرتا ہے اور دوبارہ سے جاگیر پر واپس بھیجتا ہے۔ تو اس کی پالیسی ہوتی ہے کہ وہ ایک ہی جگہ زیادہ عرصہ نہیں رہیں' دوسرے وہ اپنی طاقت یا اتھارٹی کا بے جا استعمال نہ کریں۔ اس مقصد کے لئے ہر صوبہ میں وہ گورنر اور قاضی خود مقرر کرتا ہے۔ جن کو ہدایت ہوتی ہے کہ وہ منصب داروں کے بارے میں اسے مکمل طور پر مطلع رکھیں۔

متھرا

اب ہم فوج کی پیش قدمی کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔ فتح پور سیکری کو چھوڑنے کے چار دن بعد فوج متھرا پہنچی۔ یہ قدیم شہر برہمنوں کے مذہبی تعصبات کا مرکز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر کو کرشن نے آباد کیا تھا۔ کرشن کو وشنوجی بھی کہا جاتا ہے۔ بہرحال اس میں شک و شبہ کی کوئی بات نہیں کہ وہ متھرا کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس علاقہ میں جگہ جگہ وشنو کے نام کے مندر ہیں۔ خصوصیت سے ان جگہوں پر کہ جہاں وہ گوپیوں سے ملتا تھا۔ یہ مندر پگوڈا کی شکل میں خوبصورتی کے ساتھ تعمیر کئے گئے ہیں۔ ان کے دروازوں کا رخ مشرق کی طرف ہے اس لئے جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاعیں بت کے چہرے پر پڑتی ہیں۔

کرشن

پورے ہندوستان میں ہندو کرشن کی بطور دیوتا پوجا کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ پربرام کا بیٹا ہے جسے وہ پرمیشور بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہیں "لافانی دیوتا" اس کے دو بھائی بتائے جاتے ہیں۔ جن کے نام میں میشور اور برہما اور ایک بہن جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پرمیشور کے ماتھے سے پیدا ہوئی تھی۔ ہندو دیو مالا میں کہانی ہے

کہ کرشن نو مرتبہ اس دنیا میں مختلف شکلوں میں آیا۔ نویں بار وہ ایک کسان لڑکے کی شکل میں آیا۔ وہ ایک بے چین اور جھگڑالو نوجوان تھا کہ جو معمولی چوریاں کرتا اور جھوٹ بولتا تھا۔ وہ ایک چرواہے کے ساتھ رہتا تھا اور دودھ گھی اور دہی چراتا۔ لیکن جب اس پر چوری کا الزام لگا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے گوپیوں کے اس وقت کپڑے چرا لئے کہ جب وہ دریا میں نہا رہیں تھیں۔ وہ ہمسائیوں کے برتن اور سامان کو توڑتا تھا اور ان کے بچھڑوں کو آزاد کر دیتا تھا کہ بھاگ جائیں۔ بچپن کی ان شرارتوں کے بعد جب وہ بڑا ہوا تو اس نے بزور طاقت آٹھ عورتوں کو ان کے شوہروں سے چھین لیا جب وہ بلوغت تک پہنچتا ہے تو دھوکے فریب سے جو عورتیں اس کے پاس تھیں ان کی تعداد سولہ ہزار تھی۔ جن مندروں کو میں نے دیکھا ہے ان میں اس کے یہ تمام کارنامے محفوظ ہیں۔ تاکہ انہیں بھلایا نہ جاسکے۔ یہ ہے برہمنوں کی بے شرمی۔ اور ہندوستان کے لوگوں کی بے وقوفی۔

کیونکہ وشنو ہندوستان کے چھوٹے دیوتاؤں میں سب سے بڑا ہے اس لئے متھرا طویل عرصہ سے ہندوستان میں مذہبی تعصبات کا شہر رہا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ ایک بڑا اور آباد شہر ہوا کرتا تھا کہ جہاں شاندار عمارتیں اور فصیلیں ہوتی تھیں۔ ان عمارتوں کے کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہر کس قدر دلکش ہوگا۔ ان کھنڈرات اور ٹیلوں کو کھودا جاتا ہے تو ان کے اندر سے خوبصورت ستون' اور مجسمے نکلتے ہیں کہ جنہیں ماہر دست کاروں اور صناعوں نے تراشا ہو گا۔ اب تمام مندروں میں سے ایک ہی باقی رہ گیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں نے دوسرے مندروں کو تباہ کر دیا ہے۔ اب تمام ہندوستان سے زائرین اس مندر کی زیارت کے لئے آتے ہیں جو کہ دریائے جمنا کے کنارے ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ اس مندر کے برہمن کسی کو اس وقت تک مندر نہیں آنے دیتے جب تک کہ وہ دریا میں جا کر نہیں نہائے۔ اور اپنے سر اور داڑھی کے بال نہ منڈوائے۔ عورتوں کے سر کے بال اور بھنویں منڈانا ضروری ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی دو یا تین بار دریا میں غوطے لگائے تو اس کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔ اس لئے برہمن دریا میں غسل کرنیوالوں کے گناہوں کی معافی کی خوش خبری دیتا ہے۔ دریا کے کنارے عجیب و غریب منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہاں پر تقریباً" تین سو نائی

ہوتے ہیں جو تیزی سے عورتوں اور مردوں کے بال کاٹنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہاں پر عورتیں اور مرد ساتھ ساتھ پانی میں کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر ان کے مذہب نے ان کے دلوں میں یہ ڈال دیا ہے کہ اس مقدس جگہ میں غیر اخلاقی حرکت کرنا گناہ ہے۔ اس لئے وہ شرم و حیا کا پورا پاس کرتے ہیں۔ جبکہ وہ ان فضول اور ناپاک رسومات میں مصروف ہوتے ہیں۔ تو اس وقت وہ کسی بھی قسم کی غیر اخلاقی حرکت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔ جب وہ ایک مرتبہ نہا لیتے ہیں تو پھر پوری زندگی اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی ایسی بات پر عمل نہ کریں کہ جس سے گناہ سرزد ہو۔ ہماری خواہش تو یہی ہے کہ جو لوگ سچے مذہب پر عمل پیرا ہیں وہ خود کو گناہوں سے بچائے رکھیں نہ کہ وہ لوگ جو جھوٹے عقیدے کے ماننے والے ہیں۔

ہنومان

متھرا سے چھ میل کے فاصلے پر ہنومان کی درگاہ ہے کہ جہاں تین سو سے زیادہ بندر درختوں کے جھنڈ میں رہتے ہیں' ان کا خرچہ لوگوں کے چندے سے پورا کیا جاتا ہے۔ جب گھنٹی بجتی ہے تو یہ بندر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور فوجیوں کی طرح ہتھیاروں سے لڑتے ہیں۔ جیسے ہی دوسری گھنٹی بجتی ہے یہ اپنے ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔ اس طرح گھنٹی کے بجنے پر یہ دوپہر اور شام کے کھانے پر آتے ہیں اور کھانے کے بعد اپنے اپنے جھنڈ میں واپس چلے جاتے ہیں۔ عام لوگ بندروں کے اس عمل پر بڑے حیران ہوتے ہیں اور اسے دیوتاؤں کا معجزہ سمجھتے ہیں۔ برہمنوں نے ان حیلوں اور کرتبوں سے لوگوں کو بیوقوف بنا رکھا ہے۔ بندروں کو اس طرح کی تربیت پرانے بندروں کے ذریعے دی جاتی ہے۔ مگر برہمن یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ بندر خود سے کرتے ہیں اور اس طرح سے وہ ایسے سرپرست ہنومان کی پوجا کرتے ہیں۔

جلال الدین اکبر بھی ہنومان کی کہانیوں سے اس قدر متاثر ہے کہ اس نے ایک ساحر کی نصیحت پر ہنومان کا نام دیوتاؤں کی فہرست میں نقش کرا دیا ہے۔

ان دیوتاؤں کے بارے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اور ان کی جو کہانیاں بیان کی ہیں وہ یقیناً" سمجھدار اور صاف ذہن کے لوگوں کے لئے فضول ہیں۔ لیکن میں نے یہ

باتیں اس لئے لکھی ہیں تاکہ میرے قارئین ان غریب و جاہل لوگوں پر رحم کھائیں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ دین کی روشنی ان تک پہنچائے۔ میں نے جان بوجھ کر ان کے دیوتا گنیش کی کہانی کو بیان نہیں کیا ہے۔ یہ دیوتاوؤں کا چوکیدار کہلاتا ہے اس کا چہرہ ہاتھی کی سونڈھ کی طرح کا ہے اور پیٹ نکلا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دیوی کے پسینہ سے پیدا ہوا تھا۔ میں نے مہادیو کا بھی ذکر نہیں کیا ہے اور ایسی ہی دوسری فضول دیویوں اور بے کار دیوتاؤں کا کہ جن کے بت ان کے مندروں میں رکھے ہوئے ہیں اب میں دوبارہ سے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

دہلی

متھرا سے چھ دن کے بعد دہلی پہنچے۔ یہ ایک بڑا اور امیر شہر ہے جو دریائے جمنا کے کنارے بنایا گیا ہے اور قدیم زمانے سے ہندوستان کا دارالسلطنت رہا ہے یہ پٹھان حکمرانوں کا بھی مرکزی شہر رہا ہے۔ اکبر کا باپ ہمایوں اس شہر کو بہت پسند کرتا تھا' وہ اس شہر میں رہا اور یہیں پر اس کی وفات ہوئی۔ وہ اکبر کے بنائے ہوئے مقبرے میں یہاں پر دفن ہے۔ یہ ایک بڑا مقبرہ ہے کہ جو باغات میں گھرا ہوا ہے۔ ہمایوں کی ایک بیوی جو اپنے شوہر سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ اس نے مقبرے کے قریب ہی اپنا چھوٹا سامکان بنوا لیا تھا اور مقبرے کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ خدمت کرتے ہوئے اس کی وفات ہوئی۔ بیوی نے اس تمام عرصہ میں غریبوں کا خیال رکھا اور صدقہ و خیرات تقسیم کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تقریباً" پانچ سو غریب لوگوں کو روز کھانا کھلاتی تھی۔ اگر وہ عیسائی ہوتی تو یقیناً" اس کا رتبہ بڑا ہوتا۔ کچھ مصنفین نے صحیح کہا ہے کہ مسلمان عیسائیوں کی نقل کرتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے بندر انسانوں کی۔ بہت سی باتوں میں وہ عیسائیوں کی پارسائی کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر اس پارسائی کا انہیں کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ وہ سچے دین سے دور ہیں۔

دہلی کا شہر اپنی عمارتوں کی وجہ سے مشہور ہے' خاص طور پر اس کا ممتاز اور قابل ذکر قلعہ (جو کہ ہمایوں نے تعمیر کرایا تھا) اس کی فصلیں' اور اس کی بے شمار مساجد۔ ان میں سے ایک کہ جو فیروز تغلق نے تعمیر کرائی تھی وہ بڑی عمدہ ہے۔ اس مسجد کو

سفید اور چمکدار سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے اندرونی حصہ پر سفیدی کی گئی ہے جو کہ دودھ اور چونے کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ اس میں پانی کا استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ یہ آئینہ کی طرح چمکتی ہے۔ چونے اور دودھ کا مکسچر اس قدر عمدہ ہے کہ اس میں اب تک کوئی دراڑیں نہیں پڑی ہیں۔ فیروز تغلق اپنے زہد و تقوی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ اس کی پوری سلطنت میں ہر دو میل کے فاصلہ پر سرائیں بنائی جائیں۔ ان میں سایہ دار درخت لگائے جائیں۔ کنویں کھودے جائیں تاکہ مسافروں اور جانوروں کو وافر مقدار میں پانی مل سکے۔ مساجد بنائی جائیں تاکہ وہاں مسافر عبادت کر سکیں۔ اس نے شاہراہوں پر دور دور درخت لگوائے تھے اور کمرے تعمیر کرائے تھے کہ تھکے ماندے مسافر آرام کر سکیں۔ اس نے دریاؤں' ندیوں' اور چشموں پر پل بنوائے شاہراہوں پر گڑھے پر کرا کے انہیں ہموار کیا۔ غرض اس نے عوامی سہولت کے لئے وہ تمام اقدامات کئے کہ جن کی انہیں ضرورت تھی۔ ان اقدامات سے خود اس کو بھی شہرت ہوئی۔ دہلی سے تین میل کے فاصلے پر ایک وادی میں انتہائی خوبصورت محل ہے اس محل کے سامنے والے حصہ میں اس نے سنگ مرمر کا ایک ستون نصب کروایا تھا یہ ستون تیس فٹ اونچا اور پانچ فٹ چوڑا ہے۔ اس نے قدیم شہر میں ایک زمین دوز راستہ بھی بنوایا تھا تاکہ وہ کسی کو پتہ چلے بغیر خاموشی سے تنہائی اختیار کر لے۔ اور اس طرح ریاستی امور سے دور ہو کر خود کو تازہ دم کر لے۔ اس کے بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ کہ جن سے اس کی رحمدلی اور فیاضی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر یہ سب صحیح ہیں تو ان کی وجہ سے وہ جنت میں جا سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ اس سے اس لئے محروم رہے گا کیونکہ وہ عیسائی نہیں تھا۔

دہلی میں بڑی تعداد میں دولت مند برہمن ہیں۔ یہاں پر مغلوں کی فوج بھی رہتی ہے۔ شاندار حویلیاں اس شہر کے حسن میں اضافہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کے گردونواح میں چونے اور پتھروں کا بڑا ذخیرہ ہے۔ دولت مند اور امیر لوگوں ان سے اپنے مضبوط خوبصورت اور نقش و نگار سے مزین حویلیاں تعمیر کراتے ہیں۔ ہمایوں بادشاہ کو تعمیرات سے گہری دلچسپی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے عمارتیں بنانے کا جنون تھا۔ اس نے نہ صرف شاندار عمارتیں بنوائیں۔ بلکہ چوڑی سڑکوں اور گلیوں کے ذریعے شہر کے حسن

اور رونق کو بڑھایا اس وجہ سے یہ شہر دوسرے ہندوستانی شہروں کے مقابلہ میں زیادہ پر رونق اور خوبصورت ہے۔ سڑکوں کی جانب دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہیں کہ جن کے سایوں کی وجہ سے ٹھنڈک ہو گئی ہے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں ان خوبصورت باغات اور حویلیوں کا ذکر کروں کہ جو شہر کے مشرق میں جمنا کے دونوں کناروں پر ہیں۔ یہ باغات پھلوں اور پھولوں کے درختوں اور پودوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے اور اس کی زمین بے انتہا زرخیز ہے۔ قدیم دہلی کی گری ہوئی فصلیں اور برجوں کے کھنڈرات اداس منظر پیش کرتے ہیں۔ ٹوٹی عمارتوں اور دیگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کا قدیم شہر کافی آباد رہا ہو گا۔

دو دن بعد ہم سونی پت پہنچے۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹا شہر ہے لیکن اپنی تلواروں' خنجروں' نیزوں اور برچھوں کی صنعت سازی کی وجہ سے مشہور ہے' یہاں سے یہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں درآمد کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں لوہا اور فولاد ملتا ہے کیونکہ ان کی دھاتوں کی یہاں کانیں ہیں۔

منصور کا قتل

بادشاہ نے تیسری مرتبہ مرزا حکیم کے منصور کے نام لکھے ہوئے خط پکڑے لہٰذا اس بار پھر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد کیمپ پانی پت کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں ہر شہر کے لوگ' خصوصیت سے عورتیں گھروں کی چھتوں اور بالکونیوں میں جمع ہو گئیں تاکہ اپنے بادشاہ کو دیکھ سکیں۔ پانی پت سے ہوتے ہوئے کرنال سے گزر کر ہم دریائے جمنا کی ایک شاخ تک آ ہے۔ پیادہ فوج یہاں پر پتھر کے بنے ہوئے ایک پل سے گزری۔ اس موقع پر کسی قسم کی بھگدڑ مچی اور نہ ہی شور شرابا ہوا' جیسا کہ اکثر تنگ راستوں سے گزرنے پر ہوتا ہے۔ گھڑ سوار' ہاتھی اور اونٹ منظم طریقے سے دریا کے اس حصہ میں گزرے کہ جسکی مثال مشکل ہے۔

تین دن بعد ہم تھانیسر پہنچے' یہ شہر برہمنوں اور تاجروں کا ہے۔ اس کے بعد شاہ آباد آیا کہ جہاں شاہ منصور کو پھانسی دی گئی۔ اس طرح بالاخر اسے اپنی غداری اور ناشکر

گزاری کی سزا ملی۔ اس کی پھانسی پر اس طرح سے عمل در آمد ہوا کہ بادشاہ نے اپنے محافظ دستہ' جلادوں اور فوج کے اہم عہدے داروں کو حکم دیا کہ وہ شاہ آباد میں ٹھہریں۔ اس کے بعد اس نے ابوالفضل سے کہا کہ وہ سب کے سامنے ان عنائیوں کی تفصیلات پڑھے کہ جو اس نے اپنی نوجوانی سے شاہ منصور پر کیں تھیں۔ اس کے بعد اس کی غداری کے ثبوت دیئے گئے۔ شاہ منصور کے اپنے دستخطوں کے ساتھ وہ خط پیش کئے گئے کہ جو اس نے مرزا حکیم کو لکھے تھے۔ اس کے بعد اسے مجرم ٹھہراتے ہوئے اس کی سزائے موت کا اعلان ہوا۔ ابوالفضل نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اب وہ اس سزا کو مردانگی کے ساتھ قبول کرے۔ یہ پوری کارروائی اس طرح سے ہوئی کہ جو بھی وہاں موجود تھے انہیں اس کا احساس ہو گیا کہ اس مقدمہ میں انصاف کا پو را پو را خیال رکھا گیا ہے۔ انہیں یہ بھی احساس ہوا کہ انہیں بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں ایمانداری اور وفاداری کو سامنے رکھنا لازمی ہے۔ ابوالفضل جس نے اس مقدمہ میں بادشاہ کی نمائندگی کی تھی اپنے کام کو بحسن و خوبی سرانجام دیا۔ پھانسی دیئے جانے کے بعد یہ تمام لوگ اپنے کیمپ میں واپس چلے گئے۔ بادشاہ کے غم زدہ چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اس سزائے موت کے عمل در آمد ہونے پر کسی قدر افسوس ہے۔ لیکن اس قتل کے بعد پوری سازش کا خاتمہ ہو گیا۔ جب پھانسی کی خبر کیمپ میں پہنچی تو لوگوں نے خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سزا کو سراہا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اندرونی سازشوں کا خطرہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد جنگ کا نتیجہ تو سب کو معلوم تھا' اور جو کہ آگے چل کر بادشاہ کی فتح سے ثابت بھی ہو گیا۔ خدا کی مہربانی سے بادشاہ کو اپنے منصوبوں میں کامیابی ہوئی۔ مرزا حکیم نے بھی جیسے ہی شاہ منصور کے قتل کا سنا اس نے بھی اپنے تاسف کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور بادشاہ سے امن کے بارے میں بات کرنے کا سوچنے لگا۔

اس موقعہ پر فوج کو مجبوراً" کچھ عرصہ کے لئے قیام کرنا پڑا کیونکہ باد و باراں کے سخت طوفان نے راستوں کو ناقابل عمل بنا دیا تھا۔ کیچڑ اور جگہ جگہ پانی کے کھڑے ہونے کی وجہ سے فوج کے لئے آگے جانا مشکل تھا۔ جیسے ہی موسم ٹھیک ہوا فوج کی پیش قدمی شروع ہو گئی۔ اور اب ہمیں دور مشرق میں برف سے ڈھکے سفید پہاڑ نظر

آنے لگے۔ یہ علاقہ کماؤں کہلاتا ہے۔ ان پہاڑوں سے سرد ہوائیں آتی ہیں۔ اس علاقے کے باشندے بادشاہ کے زیر فرمان نہیں ہیں۔ ان کے خلاف کارروائی اس لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ گھنے جنگل ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دریائے جمنا اس علاقہ سے شروع ہوتی ہے۔ جب کہ گنگا کا ماخذ اسکے بالکل مخالف سمت میں ہے۔

اس کے بعد انبالہ آیا' اس شہر کے قریب ایک بڑے میدان میں ہمایوں نے پٹھانوں کو شکست دی تھی (سکندر لودھی کو 1555)۔

مذہبی مباحثہ

پادری جو کہ اس فوج کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنی سوسائٹی کے قوانین پر عمل کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کی کہ وہ خود کو حالات سے باخبر رکھے۔ اور اپنے آپ کو ماحول کے مطابق ڈھالتے ہوئے مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرے۔ کیونکہ اب اس کی قسمت بھی انہیں لوگوں کے ساتھ تھی۔

پادری کے دلائل کی وجہ سے ایک بوڑھا شخص' جو کہ نجومی تھا' اور بادشاہ کے پسندیدہ لوگوں میں سے اس نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ عیسائیت اسلام سے زیادہ اچھا مذہب ہے۔ اس نے پادری سے یہ بھی کہا کہ جہنم کے تمام شیاطین عیسائیت سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں۔ بطور تجسس بہت سے ہندو بھی پادری کے پاس آنے لگے۔ اس نے ان لوگوں کو ہندو مذہب کی فضولیات پر کئی لیکچرز دیئے اور اس پر زور دیا کہ ان کی نجات کے لئے عیسائیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

سرہند

بادشاہ کے یہ احکامات تھے کہ سفری تکالیف اور دشواریوں کے باوجود شہزادوں کی تعلیم کا ایک دن بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ انبالہ سے سرہند کا فاصلہ دو دن کا ہے۔ شہر کے مشرقی جانب کیمپ لگایا گیا۔ شہر کے نام کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کوئی بادشاہ اس جگہ پر ایک شیر سے لڑا تھا۔ اور اس کو ہرا کر مار ڈالا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

اسے سرہند اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ پنجاب اور ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے اور کئی حصوں میں تقسیم ہے۔ سرہند میں طب کا ایک بہت بڑا سکول ہے کہ جہاں سے تعلیم پاکر حکیم پورے ہندوستان میں جاتے ہیں۔ یہاں سے تیر کمان' جوتے' ساق پوش' سینڈل بھی پوری سلطنت میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ یہ شہر ایک بڑے میدان میں واقع ہے کہ جس میں بے شمار درختوں کے جھنڈ اور باغات ہیں۔ لیکن ایک خرابی یہ ہے کہ یہ میدان خشک ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کو پانی کے حصول کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پانی کی فراہمی کی غرض سے انہوں نے شہر کے جنوبی حصہ میں کافی گہرائی میں کھدائی کرکے پانی کی ایک جھیل بنائی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ بارش کے موسم میں اس جھیل کو پانی سے بھر دیا جائے۔ اس جھیل کے درمیان میں ایک مینار ہے کہ جہاں یہ لوگ تفریح کی غرض سے جاتے ہیں۔ اس مینار پر کھڑے ہو کر جھیل کا حسین منظر اور شہر کے اردگرد باغات نظر آتے ہیں۔ جب ہم سرہند سے چل کر پائل پہنچے تو خبر ملی کہ مرزا حکیم فرار ہو چکا ہے بادشاہ اس خبر سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے فوار" حکم دیا کہ یہ خوش خبری پادری کو سنائی جائے۔ دوسرے دن پادری نے حاضر ہو کر بادشاہ کو مبارک باد دی جس پر بادشاہ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اب تک بادشاہ کے چہرے پر تردد اور پریشانی کے آثار نمایاں رہتے تھے مگر اس کے بعد سے اس کی خوشی و مسرت دوبارہ سے لوٹ آئی۔ اور اس نے خود کو تمام تفکرات سے آزاد کر لیا۔ اس کا اظہار اس سے بھی ہوا کہ وہ اپنی گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر بطور تفریح کئی بار کیمپ سے باہر گیا۔

ستلج

ماچھی واڑہ سے گزر کر فوج نے دریائے ستلج کے کنارے کیمپ کیا۔ یہاں پر قیام اس لئے ضروری تھا کہ دریا کو پار کرنے کی غرض سے لکڑی کا پل بنانا تھا۔ اس دریا میں بڑی تعداد میں مگرمچھ پائے جاتے ہیں کہ جنہیں تین سروں والا کہا جاتا ہے ان کے چھ چھوٹے چھوٹے پاؤں ہوتے ہیں کہ جن پر یہ رینگتے ہیں۔ ان کی یہ عادت ہے کہ جس وقت کوئی شخص دریا میں تیر رہا ہو تو یہ اچانک پانی کے نیچے سے ہی اسے نگل لیتے

ہیں۔ گائے بیل بھینس اور بھیڑیں جب دریا پر پانی پینے جاتی ہیں تو یہ ان کے پیر پکڑ کر پانی کے اندر کھینچ لیتے ہیں اور پھر انہیں ہڑپ کر جاتے ہیں۔ کچھ ناواقف لوگ اس دریا کو ماچھی واڑہ شہر کی مناسبت اور کچھ' لدھیانہ کے نام سے کہ جو ایک شہر کا نام ہے اسے پکارتے ہیں۔ بہر حال یہاں سے فوج روانہ ہوئی اور ماچھی واڑہ سے ہوتی ہوئی دریا کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کی طرف کوچ کیا۔ یہاں پر فوج نے ریتیلے میدان میں کیمپ لگایا۔

یہاں سے روانہ ہو کر پانچویں دن ایک جگہ پہنچے جو "ڈنگری" کہلاتی ہے۔ یہاں بادشاہ کے حکم سے پادری کو پچاس اشرفیاں دی گئیں تاکہ وہ یہ عیسائیوں میں تقسیم کرے۔ بادشاہ کی خوشی کی ایک وجہ یہ تھی کہ مرزا حکیم نے اسے معافی کے خطوط بھیجے تھے اور جنگ سے پناہ مانگتے ہوئے اس سے درخواست کی تھی کہ اس کے صوبے جو دوسروں کو دیدیئے ہیں۔ وہ واپس اس کو عطاء کر دے اور اس کی سلطنت کو باقی رہنے دے۔ لیکن اس کے خطوط سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ معافی کا خواستگار نہیں۔ بلکہ اسے اپنا حق سمجھ کر بادشاہ سے مانگ رہا ہے۔

بیاس

ایک چھوٹے سے دریا کو پار کرکے' دو دن کی مسافت کے بعد فوج دریائے بیاس پر پہنچی۔ یہاں پر ایک ایسی جگہ کی تلاش کی جہاں پانی کم ہوتا کہ ہاتھی وہاں سے پار جا سکیں اور ایک ایسی تنگ جگہ کو ڈھونڈیں کہ جہاں پر پل بنایا جا سکے۔ جب اسکاؤٹس نے یہ دونوں جگہیں دریافت کرلیں تو وہاں پر کیمپ لگا دیا گیا۔

نگر کوٹ

یہاں سے بادشاہ کچھ گھڑسواروں کے ساتھ نگر کوٹ کے لیے روانہ ہوا کیونکہ ایک راجہ نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے کمسن بیٹے کے خلاف مدد کرے کہ جس نے اسے رجواڑے سے نکال دیا تھا۔ جیسے ہی اس غاصب لڑکے نے سنا کہ جلال الدین

بذات خود آرہا ہے تو وہ ڈر کے مارے چھپ گیا۔ اور وہ معہ اپنے ساتھیوں کے پہاڑوں کی ایسی گھاٹی میں چلا گیا کہ جہاں تک پہنچنا مشکل اور خطرناک تھا اس لیے بادشاہ کو بغیر کسی کاروائی کے واپس آنا پڑا۔ یہ علاقہ اس قسم کی فصلیں اور پھل پیدا کرتا ہے کہ جو اسپین اور اٹلی میں ہوتے ہیں۔ اور جو کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں دستیاب نہیں ہوتے ہیں۔

دوسرے دن فوج نے لکڑی کے پل کے ذریعہ دریائے بیاس کو پار کیا اور تقریباً" دس میل کا فاصلہ طے کر کے پٹھان کوٹ پہنچے۔ اس علاقہ کا سربراہ راجہ بیربل ہے' اس نے بادشاہ کی نگر کوٹ سے واپسی پر اس کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت دی۔ یہ علاقہ جو کہ میدانی ہے ہمالیہ کے سلسلہ ہائے کوہ سے پینتالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

کلانور

فوج کا اگلہ قیام کلانور کے مقام پر تھا۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں اکبر نے پٹھانوں اور بیرم خاں کو شکست دی تھی۔ اس کی تاجپوشی بھی اس جگہ پر ایک خوبصورت باغ میں ہوئی تھی۔ یہ روایت تھی کہ پنجاب کے بادشاہ اس باغ میں اپنی رسم تاجپوشی منعقد کیا کرتے۔ کلانور ایک چھوٹے دریا کے قریب واقع ہے جو کہ بعد میں دریائے بیاس میں جا کر ملتا ہے۔ اس دریا کے بارے میں اسٹرابو نے لکھا ہے کہ سکندر یہاں پر آکر رک گیا تھا اور اس کی آگے جانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ رومی مصنفین کا کہنا ہے کہ کلانور ایک بڑا شہر ہے۔ اس کے کھنڈرات اور بچی کھچی فصیلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی یہ شہر ماضی میں شاندار رہا ہوگا۔ لیکن اب ہمارے زمانہ میں اس چھوٹے سے قصبہ کو شہر کہنا ایک مذاق ہے۔

کلانور سے نگر کوٹ کا فاصلہ 18 میل ہے۔ یہ شہر اپنے قلعہ کے کنارے کو جو "نگریز" کہلاتا ہے' مشہور ہے۔ (اس راجہ کے خلاف اکبر نے مہم کی قیادت کی تھی کیونکہ اس نے اپنے باپ کو نکال دیا تھا۔) اب وہ لڑکا پہاڑوں سے واپس آیا اور اس نے کلانور کے علاقوں میں لوٹ مار کر کے اسے جلا دیا اور اس طرح بادشاہ کی طاقت کا مذاق اڑایا۔

تبتی لوگ

اس قلعہ کے مشرق میں کوہ ہمالیہ کی وادیاں ہیں کہ جہاں مہذب و غیر متمدن لوگ آباد ہیں۔ انہیں بھوتیا کہا جاتا ہے۔ ان کا کوئی حکمران نہیں ہے اور یہ قبائل کی شکل میں رہتے ہیں۔ وہ نمدے کے بنے ہوئے لباس پہنتے ہیں۔ اس کو کسی طرح اپنے جسموں سے لپیٹ لیتے ہیں۔ اور پھر کبھی اسے نہیں اتارتے۔ یہاں تک کہ وہ پسینہ سے یا وقت کیساتھ بوسیدہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے سروں پر نمدے ہی کی بنی ہوئی تکونی ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ وہ کبھی اپنا چہرہ' ہاتھ اور پیر نہیں دھوتے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ شفاف اور صاف پانی کو وہ اپنی جلد کے میل اور گند سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ پانی وہ شے ہے کہ جو انسان کی پیاس کو بجھاتا ہے۔ ان کے صرف ایک بیوی ہوتی ہے۔ جب ان کے دو یا تین لڑکے ہو جاتے ہیں تو وہ تجرد کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرجائے تو دوسرا شادی نہیں کرتا۔ وہ بت پرست تو نہیں ہیں' مگر نجومیوں اور جادوگروں کا کہا مانتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو رسومات کے لئے وہ فوار" جادوگر کو بلاتے ہیں۔ جو کہ اپنی جادو کی کتابوں کو دیکھ کر بتاتا ہے کہ کیا کرنا چاہئے۔ یہ جادوگر ہر مرنے والے کے سلسلہ میں نیا فیصلہ دیتے ہیں۔ مثلاً" کیا اسے ندی و نالے میں پھینکا جائے۔ یا اسے کسی جگہ پر رکھ دیا جائے یا اسے وقتی طور پر محفوظ کر دیا جائے۔ تاکہ کچھ عرصہ بعد اس کے بارے میں فیصلہ دیا جائے۔ اس کی ہدایات پر پورا پورا عمل کیا جاتا ہے۔ وہ انسانی ہڈیوں کو گھریلوں برتنوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کھوپڑی کو بطور پیالہ' شانوں کو بطور پلیٹ' اور رانوں کی ہڈیوں کو بطور خنجروں کے دستے کے۔ ان کے نیزوں پر انسانی جسم کی تیز و نکیلی ہڈیاں لگی ہوتی ہیں۔ ان کا رنگ صاف و گورا' قد درمیانہ' بال بھورے' اور چہرہ لال ہوتا ہے ان میں سے کچھ کی بڑی خوبصورت آنکھیں ہوتی ہیں جو کہ گولائی کی شکل کی ہوتی ہیں وہ چھوٹی تلواروں' اور تیرو کمان سے مسلح رہتے ہیں۔ وہ اونٹ کی اون کے بنے ہوئے کمبل استعمال کرتے ہیں۔ فروخت کے لئے وہ اون کی بہترین شالیں بناتے ہیں۔ اپنے تجارتی سامان کو وہ نگر کوٹ میں لا کر بیچتے ہیں۔ یہاں پر پہاڑوں کی

ڈھلوان پر پورے سال برف جمی رہتی ہے۔ لیکن جون جولائی اگست اور ستمبر کی گرمیوں میں یہ برف تھوڑی بہت پگھلتی ہے۔ یہ لوگ نیک پارسا اور رحمدل ہوتے ہیں۔ بڑی فیاضی سے خیرات و صدقہ دیتے ہیں اور مسافروں کی خوب خاطر تواضع کرتے ہیں۔ یہ پرامن لوگ ہیں۔ اور جنگ و جدل سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کا ملک زرخیز ہے اور یہاں شراب' اناج اور بہت سے یورپی پھل ملتے ہیں۔ یہاں پر بھیڑیں' اونٹ' اور جنگلی گدھوں کے بے شمار ریوڑ ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک جنگلی بھیڑ بھی ہوتی ہے جو کہ قد میں بکری کے برابر ہوتی ہے اور جس کی ٹانگوں اور رانوں میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ چلنے کی بجائے چھلانگ لگاتی ہے۔ نہ دوڑنے کی وجہ سے اسے آسانی سے پکڑ لیا جاتا ہے کہ اسکی اون سلک سے بھی زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ اسی اون سے یہ شال بناتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ بڑی دلچسپ اور ناقابل یقین ہیں خاص طور سے یہ کہ وہ تجردگی کی زندگی پسند کرتے ہیں۔ جب میں نے یہ باتیں فادرز کو بتائیں تو انہوں نے ان کی صداقت کے لئے دوسرے ذرائع کو استعمال کیا اور آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ میں نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تمام کا تمام صحیح و سچا ہے۔ اس کے بعد پادریوں کا یہ منصوبہ بنا کہ وہ ان علاقوں میں تاجروں کے بھیس میں جائیں۔ لیکن حالات نے انہیں یہ موقع نہیں دیا اور انہیں اپنے منصوبہ کو ختم کرنا پڑا۔ یہ لوگ نگر کوٹ کے پہاڑوں سے لیکر کشمیر کی وادی تک بسے ہوئے ہیں ان باشندوں کی اپنی علیحدہ سے زبان ہے۔ پلینی نے ان لوگوں کے بارے میں لکھا ہے "ہندوستان کا قبیلہ کاسیری" اسکا تھین لوگوں کی سرزمین کے اندرونی علاقے میں رہتا ہے' یہ لوگ اب تک انسانی گوشت کھاتے ہیں۔"

راوی

کلانور کے بعد فوج نے دریائے راوی کو پل کے ذریعہ پار کیا۔ یہ پل خاص طور پر اسی مقصد کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ دوسرا دریا جسے عبور کیا گیا وہ سارنگا تھا جو کہ ہمالیہ کے نیچے واقع ہے۔ اس کے بعد ایک پر خطر اور خراب شاہراہ کے ذریعہ کہ جو تنگ گھاٹی اور ڈھلوان پر ایک اہم جگہ پر واقع ہے اور اس کا راجہ جلال دین کے ماتحت ہے۔ اپنی

زرخیز زمین اور آبادی کی وجہ سے یہ نگرکوٹ سے ملتا ہے۔ اس کی آبادی سوائے مغل فوج کے کہ جو یہاں رہتی ہے' باقی سب برہمنوں کے ملحدانہ مذہب سے ہیں۔ یہاں آب و ہوا یورپ جیسی ہے۔ لوگ اونچے قد کے اور دبلے ہیں۔ ان کی جلد کی رنگت ہلکی بھوری ہے۔ یہ لمبے بال اور داڑھیاں رکھتے ہیں۔

چناب

چمبہ کے بعد فوج نے سرسبز اور خوشگوار آب و ہوا والے ایک میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ علاقہ دو دریاؤں کے درمیان ہونے کی وجہ سے خوبصورتی اور دلکشی میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں پر کئی قسم کے باغات اور آباد قصبے و گاؤں ہیں۔ دوسرے دن دریائے چناب کو مشکل کے ساتھ عبور کیا گیا کیونکہ یہاں پر کوئی پل نہیں ہے۔ جن لوگوں نے پایاب جگہ سے دریا کو پار کرنے کی کوشش کی ان میں کئی لوگ پانی کی گہرائی کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے ڈوب گئے۔ بادشاہ اور اس کے امراء نے کشتیوں کے ذریعہ دریا میں سفر کیا۔ دریا کے دوسری جانب جانے میں فوج کو تین دن لگ گئے۔ اگرچہ قریبی گاؤں سے کشتیاں لائی گئیں مگر اس کے باوجود ان کی تعداد بہت کم تھی۔ کشتیوں کی کمی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے ک جب مرزا حکیم یہاں سے گیا تو اس نے حکم دیا تھا کہ تمام کشتیوں کو یا تو توڑ دیا یا جلا دیا جائے تاکہ بادشاہ کو اس کے تعاقب میں دریاؤں کو پار کرنے میں دیر لگے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے فرار ہو جائے۔ یہاں سے دریا کے عبور کرنے میں ہر طبقہ کے تقریباً" چار سو آدمی ڈوب کر مر گئے کیونکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جو تیرنا نہیں جانتے تھے۔ یہ دریا آگے چل کر تین شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اس کی دو شاخوں کے درمیان میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ فوج دریائے چناب کے ساحل کے ساتھ چلتی ہوئی خونیہ اور سودھرا تک جائے تاکہ اسے پانی کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ان دونوں شہروں میں دو میل کا فاصلہ ہے۔ بادشاہ جلال الدین اس لحاظ سے تعریف کا مستحق ہے کہ وہ اپنی فوج کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ نہ صرف اسے رسد کے بارے میں فکر رہتی ہے بلکہ یہ کہ پانی کی کمی نہ ہو' اور وہ آرام سے دریا کو عبور کر سکے۔ لیکن ان تمام احتیاطوں کے باوجود

پہلے دن مارچ کے وقت فوج کو پانی کی کمی رہی اور لوگوں کی پیاس سے بری حالت ہو گئی۔ اگرچہ فوج ایک دن میں سات میل سفر کرتی ہے۔ مگر اس خیال سے کہ اسے زیادہ تکلیف نہ ہو اس نے فاصلہ بڑھا کر پندرہ میل کر دیا اور پھر آٹھ دن کے لئے دریائے جہلم پر قیام کا اعلان کیا تاکہ فوج آرام کر سکے۔ وہ روز اپنے لڑکوں کے ساتھ شکار پر جاتا تھا۔ اسی دوران دریا پر ایک پل ڈالا گیا۔ کیونکہ یہ دریا چوڑا اور گہرا ہے۔ ہاتھی بھی اس میں سے نہیں گزر سکتے ہیں۔ پیادہ اور گھڑ سواروں کے لئے اس دریا کو تیر کر پار کرنا بھی ناممکن ہے۔ لہٰذا پل کا تعمیر کرانا ناگزیر تھا۔ یہ دریا آگے جاکر دریائے سندھ سے مل جاتا ہے اور پنجاب کی سرحد کا کام دیتا ہے۔ اس کے اصل باشندے جاٹ ہیں۔ یہ لوگ اپنے بال اور داڑھی منڈوانا گناہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ دنوں مردانگی کی نشانیاں ہیں۔

دریا پار کرکے فوج بال ناتھ کے ٹیلے کے قریب ٹھہری۔ یہاں پر پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے کہ جو ہر جگہ پر ہمالیہ کہلاتا ہے۔ لیکن یہاں سے پہاڑ زیادہ کھلے اور قابل عبور ہو جاتے ہیں۔ ان پہاڑی لوگوں کو یورپی جغرافیہ داں "کاسپیری" کہتے ہیں' لیکن مقامی لوگ انہیں "کشمیری" کہتے ہیں۔ یہ لفظ "کش" جس کے معنی پہاڑ اور "میر" جس کے معنی سردار کے ہوتے ہیں۔ ان سے مل کر بنا ہے۔

کشمیری اور گکھڑ

کوئی ایک سو سال پہلے کی بات ہے کہ مسلمانوں نے کشمیریوں کو شکست دے کر ان کے ملک پر قبضہ کر لیا اور ان کو مجبور کیا کہ وہ ان کے انتظام حکومت اور قانون کو تسلیم کریں۔ اس علاقہ کے لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ وہ نسلاً" یہودی ہیں۔ اور ان کے رسم و رواج بھی یہودیوں جیسے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں ان سے سوالات پوچھے جائیں تو وہ اپنے یہودی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کا چہرہ مہرہ' جسمانی حالت' لباس' اور تجارت کرنے کے تمام طریقے ویسے ہی ہیں جیسے کہ یورپی یہودیوں کے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو لاہور میں رہتے ہیں وہ پرانے و بوسیدہ لباس' کاٹھ کباڑ' جوتے' لوہے کی پرانی اور سیکنڈ ہینڈ چیزوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ مجھ تک جو کہانی پہنچی ہے اس کی صداقت

کے بارے میں تجزیہ کرنا دوسروں کا کام ہے' مگر میں اپنی معلومات کی بنیاد پر اس کو تحریر کرتا ہوں۔ تمام قدیم اسکالرز اس پر متفق ہیں کہ سکندر اعظم نے یہودیوں کو گرفتار کر کے کیسپین کے پہاڑوں میں لاکر آباد کر دیا تھا۔ اسٹرابو کے بیان کے مطابق سکندر ہندوستان میں دریائے بیاس تک آیا تھا' لیکن بہرحال وہ کیسپین کے علاقے میں ضرور داخل ہوا تھا۔ اس علاقے کی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ یہاں پر آنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ پادریوں نے بڑی عرق ریزی کے بعد اس کی تحقیق کی کہ کیاواقعی کشمیری یہودی ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق یہ نسلاً" یہودی ہی ہیں۔ لیکن ایک سو سال کے اندر اندر یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ جہاں تک ان کے پہاڑی علاقہ کا تعلق ہے پہاڑوں کی وجہ سے اس علاقہ کا بڑا عمدہ دفاع ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے گھڑ سواروں سے کہ جو پہاڑی راستوں کو عبور نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن پہاڑوں کے اوپر ہموار میدان ہے۔ میں کچھ مصنفین کے نقطہ نظر سے بخوبی واقف ہوں کہ جن کے مطابق سکندر نے یہودیوں کو کیسپین کے پہاڑوں میں لا کر آباد کیا تھا' یہ وہ پہاڑ ہیں کہ جو کیسپین سمندر کے قریب ہیں۔ میں ان کے اس نقطہ نظر پر اعتراض نہیں کرتا اور یہاں پر میٹرنیے کے اس مقولہ پر عمل کرتا ہوں کہ "اگر وہ یہ کہتے ہیں' تو میں بھی یہی کہتا ہوں۔ اگر وہ نہیں کہتے ہیں' تو میں بھی نہیں کہتا ہوں۔"

اب گکھڑوں کے بارے میں ذکر کروں گا کہ جو یہاں میدان میں آباد ہیں۔ یہ جنگ جو مسلمان ہیں اور درمیانہ قد و مضبوط جسم کے ہیں چوری چکاری و ڈاکہ زنی کو بطور پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان سے سب ہی لوگ نفرت کرتے ہیں' کیونکہ یہ تاوان کیلئے آدمیوں کو اٹھا لیجاتے ہیں۔ یہ مسافروں کی تاک میں رہتے ہیں' اور انہیں بے خبری میں پکڑ کر پہلے ان کا سر مونڈھتے ہیں۔ اس کے بعد گھٹنے کے پیچھے کی نس کاٹ کر اسے لنگڑا کر دیتے ہیں' پھر ایران لے جا کر بطور غلام فروخت کر دیتے ہیں۔ اگر اس وقت جب کہ وہ اپنے بدقسمت قیدی کا سرمونڈھتے ہوتے ہیں۔ انہیں کے قبیلہ کا کوئی شخص آ جائے تو وہ بھی اس کی قیمت میں حصہ دار ہو جاتا ہے۔ ان کا مرکزی شہر "روہتاس" ہے کہ جہاں پر یورپی طرز کا ایک مضبوط قلعہ ہے کہ جو پہاڑی چٹانوں پر واقع ہے اور دفاع کے لحاظ سے ناقابل تسخیر ہے۔

اب میں بال ناتھ کے ٹیلے کا ذکر کروں گا۔ یہ ٹیلہ اونچا اور ڈھلوان ہے' وہاں تک جانا بڑا مشکل ہے۔ خاص طور سے گھوڑے پر سوار ہو کر کوئی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن چوٹی پر ایک ہموار جگہ ہے کہ جہاں پر رہنے کے لئے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ بال ناتھ ایک سنیاسی معہ اپنی بہن کے رہتا تھا۔ بعد میں اس کے نام پر ایک فرقہ وجود میں آگیا کہ جن کے مخصوص رسوم و رواج ہیں۔

جو نووارد اس فرقہ میں داخل ہوتے ہیں دو سال کے لئے انہیں تربیت سے گزرنا ہوتا ہے اور فرقہ کا خاص قسم کا لباس پہننا پڑتا ہے۔ اس عرصہ میں وہ ان لوگوں کی خدمت کرتے ہیں جو یہاں رہتے ہیں۔ مثلاً" باورچی کو کھانا پکانے میں' ایندھن کے لئے لکڑیاں کاٹنے میں مویشی اور جانوروں کو چرانے میں' اور پانی لانے میں (جوکہ ایک بڑا مشکل کام ہے' خصوصیت سے گرمیوں میں) اور ان تین سو آدمیوں کو کھانا کھلانے میں جو یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اگر کوئی ان ذمہ داریوں کو پورے دو سال تک محنت اور لگن سے پورا کرتا ہے تو اس صورت میں اس کو بطور رکن فرقہ میں داخل کرنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے اس سے وعدہ لیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ پاک بازو پارسا رہے گا اور اپنے سلسلہ کے قواعد و ضوابط کے خلاف کبھی کچھ نہیں کریگا۔ اس موقع پر اسے جو لباس پہنایا جاتا ہے اس میں ایک چوغہ ایک پگڑی اور ایک لمبا لباس ہوتا ہے کہ جو پیروں تک آتا ہے۔ یہ لباس سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اس لباس کو پہننے والے جہاں بھی جاتے ہیں وہ اپنا گزارا بھیک مانگ کر کرتے یں۔ اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے یا فرقہ کے آئین کی خلاف ورزی کر بیٹھیں تو انہیں فوراً" سلسلہ سے نکال دیا جاتا ہے۔ ان کا ایک سربراہ ہوتا ہے کہ جو ایک بار منتخب ہو جائے تو پھر وہ کبھی بھی اس پہاڑی کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے ساتھ کچھ بزرگ لوگ بھی ہوتے ہیں جو کہ اسے اپنے مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ جب یہ راہنما مرتا ہے تو یہی بزرگ لوگ اس کا جانشین منتخب کرتے ہیں۔ اس راہنما یا سربراہ کی نشانی ماتھے پر بندھا ہوا فیتہ ہوتا ہے' اس فیتہ پر سلک کی جھالر ہوتی ہے کہ جو سر کی حرکت سے ہلتی رہتی ہے۔ یہ عجب حماقت کی بات ہے کہ اپنے سربراہ کے لئے انہوں نے اس قسم کی نشانی کو منتخب کیا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر وہ لوگ کہ جن کے دل میں ایمان کی روشنی ہوتی

ہے وہ ان فضولیات اور توہمات میں گرفتار نہیں مگر ان کے اپنے توہمات انتہائی واہیات ہیں۔ وہ بال ناتھ کہ جس کے یہ مرید ہیں اسے پیغمبر اور خدا کا خادم سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج سے تین سو سال پہلے دنیا کو ترک کرکے اس پہاڑی پر وہ اپنی بہن کے ساتھ رہتا تھا۔ اگرچہ اس کے بعد سے اسے دیکھا نہیں گیا ہے۔ مگر ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے عقیدت مندوں کو درختوں' پہاڑوں' اور گھاٹیوں میں مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس نے خدا کی پرستش کا صحیح طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ صبح کے وقت مشرق کی طرف منہ کرکے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھیں اور خوشی سے بانسری و ناقوس بجائیں۔ شام کو مغرب کی طرف منہ کر کے' سورج کے غروب ہوتے وقت وہ اسی رسم کو دھراتے ہیں۔ جب وہ کھانا کھاتے ہیں تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ بال ناتھ نے اپنے مریدوں پر کھانے و پینے کی کوئی پابندی نہیں لگائی ہے اور نہ ہی لوگوں سے میل جول پر۔ ان لوگوں کے طرز رہائش میں بے انتہا سادگی ہے۔ وہ کھانے میں صرف دال اور گھی کھاتے ہیں۔ ان کے سلسلہ میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ شادی شدہ' اور کنوارے' جو کہ کم لمبائی کا لباس پہنتے ہیں۔ لباس ہی کی وجہ سے ان دونوں جماعتوں کو پہچانا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کے لوگ بال ناتھ کے نام پر غیب کا حال بتاتے ہیں اور پیشین گوئیاں کرتے ہیں ہمارے پادریوں کے نزدیک بال ناتھ شیطان کی مانند ہے کیونکہ اس نے ان لوگوں کے آباؤ اجداد کو اپنے جھوٹے معجزوں سے دھوکہ دیا اور اب بھی جگہ جگہ خود کو ظاہر کرکے لوگوں کو فریب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ مکار ان سیدھے سادھے ہندوؤں کو اپنے دام میں پھنسا کر ان سے اپنی پوجا کراتا ہے۔ اور خود کو کئی ناموں سے ظاہر کرتا ہے۔ بال ناتھ کے نام پر بطور تقدس ہندو یاتری راستہ میں درختوں پر کپڑے کی پٹیاں لٹکاتے جاتے ہیں۔

جس وقت جلال الدین اکبر نے اس جگہ کی زیارت کی ہے۔ اس وقت ان کا پجاری ایک بوڑھا شخص تھا کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی عمر 200 سال ہے لیکن حقیقت میں وہ مشکل سے 80 سال کا ہوگا۔ اس قسم کے لوگ' دھوکہ دینے کی غرض سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی عمر بہت زیادہ ہے حالانکہ پارسائی اور نیکی کا

تعلق قطعی اس سے نہیں کہ آدمی کی عمر کیا ہے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ زیارت کی غرض سے آ رہا ہے تو یہاں کے تمام رہنے والے ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس فرقہ کے بہت سے لوگ اپنے تقدس اور عبادت گزاری کو دکھانے کی غرض سے ان غاروں سے کہ جو یا تو فطرت نے بنائے ہیں یا انسانوں نے' برہنہ نکل کر آ گئے۔ بہت سے لوگ ان برہنہ فقیروں کی بڑی عزت کرتے ہیں اور ان کی زہد و تقوی کی کہانیاں دور دور تک لیجاتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ روپیہ پیسہ کے معاملے میں انتہائی لالچی ہوتے ہیں ان کی یہ عبادت گزاری محض دکھاوے کے لئے ہوتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکیں۔ بادشاہ کہ جو ہر قسم کے توہمات میں گرفتار ہے' وہ اس فرقہ کے لوگوں کے ساتھ اس جگہ کی زیارت کو گیا کہ جہاں بال ناتھ رہتا تھا۔ اس موقع پر عقیدت کے طور پر بادشاہ نے اپنے بال کھول لئے اور ننگے پیر اس مقام تک گیا۔

روہتاس

جس وقت بادشاہ بال ناتھ کے ہاں وقت ضائع کر رہا تھا' اسی وقت فوج چار دن کے لئے نیچے میدان میں قیام پذیر ہوئی۔ دو دن بعد فوج مارچ کرتی ہوئی روہتاس قلعہ کے پاس پہنچی اور ایک چشمہ کے کنارے کیمپ لگایا' کہ جس نے تقریباً" اس قلعہ کو گھیر رکھا تھا۔ اس قلعہ کے گورنر یوسف نے کہ جس نے مرزا حکیم کے حملوں سے قلعہ کا دفاع کیا تھا' اس نے بادشاہ کے اعزاز میں ایک پر تکلف دعوت کا انتظام کیا۔ روہتاس سے فوج اس چشمہ کے کنارے کنارے چلی۔ اس موقع پر چند گھڑ سوار' یا وہ لوگ کے جو اونٹوں پر سوار تھے' اپنی جلد بازی کی وجہ سے راستہ سے بھٹک گئے اور خود کو کئی خطرات میں ڈال دیا۔ کیونکہ دریا کے خشک ہونے کے بعد کہ جب اس کا پانی ریت میں جذب ہو جاتا ہے تو دور سے میدان جما ہوا اور سخت نظر آتا ہے۔ لیکن جب کوئی اس میں سے گزرنا چاہتا ہے تو وہ اس میں دھنستا جاتا ہے' اس وقت جتنا وقت اس دلدل سے نکلنا چاہتا ہے اسی قدر اس میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ کہ جو جلد بازی میں دریا کے خشک میدان میں چلے گئے انہوں نے خود کو اس خطرے میں ڈال دیا۔

مینار

چھٹے دن فوج ایک بڑے میدان میں پہنچی۔ اس تک جانے کے لئے راستہ تنگ گھاٹیوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ راستہ میں کئی چھوٹے چھوٹے ندی نالے بھی تھے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہوا میں نمی تھی۔ پیش قدمی کے دوران کئی بار بادو باراں کے طوفان آئے اس میدان کے بیچ میں ایک مینار ہے (یا ایک ٹیلہ ہے) جو کہ سائز میں کافی بڑا ہے۔ قدیم ہونے کی وجہ سے یہ کھنڈر میں تبدیل ہو گیا ہے' لیکن اس کے کچھ حصے جو باقی ہیں اچھی حالت میں ہیں' ان سے دست کاری و صنعت گری کی مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہندو راجہ رام چندر نے اس کو یہاں تعمیر کر دیا تھا تاکہ یہ سلطنت کی سرحد کی نشانی کے طور پر رہے۔ یہ مینار ایک پلیٹ فارم پر نصب ہے جو کہ سات فٹ اونچا اور دس فٹ چوڑا ہے۔ اس پلیٹ فارم پر جانے کیلئے سیڑھیاں ہیں۔ مینار کی اونچائی بیس فٹ اور چوڑائی دس فٹ ہے۔ یہ مخروطی شکل کا بنا ہوا ہے اوپر جاتے جاتے اس کی چوٹی نکیلی ہو گئی ہے۔ یہ مینار بھورے رنگ کے پتھر سے بنایا گیا ہے۔ اور ان پتھروں کو جوڑنے کے لئے کوئی چونا وغیرہ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

دوسرے دن فوج نے رہوات کے قصبہ میں قیام کیا۔ اس کے باشندے بھی اس علاقہ کے دوسرے لوگوں کی طرح ہیں' یعنی ان کا تعلق بھی گکھڑ قبیلہ سے ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے جس قدر یہ لوگ انڈو' اسکا تھین علاقے کے قریب ہوتے جاتے ہیں اس قدر ان میں بربریت اور جنگلی پن بڑھتا جاتا ہے۔ یہ انسانوں کے بدلے میں گھوڑے لے لیتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک کہاوت ہے کہ "ہندوستان کے غلام اور پارتھیا کے گھوڑے"۔

روھتاس سے لے کر دریائے سندھ تک یہ علاقہ خشک اور بنجر ہے۔ اس کی آب و ہوا بھی اس قدر ناگوار اور سخت ہے کہ جیسے یہاں کے باشندے۔ جو لوگ دریائے سندھ کے اس پار رہتے ہیں وہ اپنے رنگ اور زبان سے ہندوستانی باشندوں سے مختلف ہیں کیونکہ ان کا رنگ سفید اور قد چھوٹا ہوتا ہے۔ انکے بازو چوڑے اور ٹانگیں سخت ہوتی ہیں ٹھوڑی سے لے کر ماتھے تک ان کا چہرہ لمبوترا اور جھریوں سے ڈھکا ہوتا ہے۔

ان کے دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اجنبیوں کی جانب سے ان کا رویہ درشت ہوگا۔

ہزارہ

اس جگہ سے ایک دریا پار کرکے فوج گاگر پہنچی جو کہ پہاڑی کی ڈھلوان پر واقع ہے۔ گاگر سے دریائے سندھ کی ایک شاخ گزرتی ہے جو کہ نیچے جاکر دریا سے مل جاتی ہے۔ یہاں پر یہ ایک چوڑے جزیرہ کو تشکیل دیتی ہے.کہ جو قدیم مصنفین کے ہاں "پراسین" کے نام سے مشہور ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نام کی وجہ اس کا سرسبز ہونا ہے۔ دریائے سندھ کے ساحل پر ہزارہ ضلع میں کیمپ لگائے گئے۔ جس جزیرہ کا میں نے ذکر کیا ہے وہ پٹھانوں کے ایک قبیلہ کی ملکیت ہے کہ جو دیلزک کہلاتے ہیں۔ یہ علاقہ آب و ہوا کے لحاظ سے معتدل اور زرخیز ہے۔ اگرچہ یہاں پر اچھے درخت اور باغات نہیں ہیں لیکن زمین قابل کاشت اور اچھی ہے کہ جس کی وجہ سے اناج اور دالیں خوب پیدا ہوتی ہیں۔ جانوروں کے لئے گھاس بھی وافر مقدار میں ہے۔ جس کی وجہ سے جانوروں کی ریوڑ ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے دودھ اور گھی کی یہاں کمی نہیں۔ یہاں کے باشندے شریف اور مہربان ہیں۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ مویشیوں کو پالتے ہیں۔ یہ گکھڑوں کی طرح خانہ بدوش نہیں بلکہ گاؤں میں رہتے ہیں۔ ان کی وہی زبان ہے کہ جو پٹھان بولتے ہیں یعنی پشتو' سننے میں یہ ہسپانوی زبان معلوم ہوتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس میں بہت سے الفاظ بھی ایک جیسے ہیں۔

مذہبی بحث

پادری جو کہ کیمپ میں تھا' اس کو اس بات کی فکر تھی کہ بادشاہ نے اب تک عیسائیت کے بارے میں جو کچھ سیکھا ہے کہیں وہ اسے بھول نہ جائے۔ لہٰذا اس نے حضرت عیسیٰ کی زندگی کے اہم واقعات لکھ کر اس وقت بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے کہ جب وہ دشمن کے فرار کا سن کر بڑا خوش تھا۔ بادشاہ نے اس وقت شاید بغیر سوچے سمجھے ابوالفضل کو حکم دیا کہ وہ اسے پڑھ کر سنا دے۔ جب اس تحریر کو پڑھا گیا تو بادشاہ نے

بعد میں اس قسم کے سوالات کیے: حضرت عیسیٰ جو کہ شدید خواہش مند تھے کہ یہودی ان پر ایمان لائیں اور گناہوں سے نجات پائیں آخر انہوں نے اس وقت یہودیوں کے چیلنج کو کیوں قبول نہیں کیا کہ جب وہ صلیب پر تھے اور یہودی ان سے کہہ رہے تھے کہ اگر تم خدا کے بیٹے ہو تو صلیب سے اتر آؤ' ہم تم پر ایمان لے آئیں گے؟"

اس پر پادری نے مندرجہ ذیل مختصراً جواب دیا کہ اگر چہ اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر میرا استدلال ہے کہ خدا کو صرف ایمان و عقیدہ کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ ابراہیم نے اس وقت بھی خدا پر اپنے ایمان کو قائم رکھا جب اسے اپنے بیٹے اسحاق کی قربانی کے لئے کہا گیا۔ اگرچہ اسے خدا نے ہی یہ خوش خبری دی تھی کہ اس کی نسل اسحاق سے چلے گی۔ لیکن اپنے عمل سے اس نے خدا کو خوش کیا اور اپنے ایمان کو ثابت کیا۔ اگر عیسیٰ صلیب سے نیچے اتر آتے تو اس کی وجہ سے ایمان کی صداقت کمزور ہو جاتی۔ کہ جو انسان کی نجات کا واحد ذریعہ ہے اور جس کے ذریعہ سے انسان کو لافانیت ملے گی۔ مزید یہ کہ اس ذریعہ سے خدا کی مرضی و خواہش اور اس کے اٹل قوانین کو چند کافروں کے مطالبہ پر تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر عیسیٰ صلیب سے اتر بھی آتے تو ان کے اس عمل سے ان کافروں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور شاید وہ اس معجزے کو جادو کہہ دیتے کیونکہ اس سے پہلے بھی جو معجزے دکھائے گئے انہیں شیطان کے کرشمے کہہ دیا گیا"

بادشاہ نے اس دلیل کو پسند کیا۔ اگرچہ پادری کی فارسی اچھی نہیں تھی مگر بادشاہ نے اس کا مطلب بخوبی سمجھ لیا' اور اس کو اور وضاحت کے ساتھ وہاں موجود لوگوں کو بتایا۔ اس پر وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے صاف صاف کہا کہ ان کے ذہنوں میں جو شکوک تھے وہ ختم ہو گئے اور اب انہیں مزید کسی اور تشریح کی ضرورت نہیں رہی۔

اس کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ آخر عیسیٰ نے سینٹ ٹامس کو کیوں اس بات کی اجازت دی کہ وہ اس کے زخموں پر اپنے ہاتھ اور انگلیاں رکھے' کیوں کہ یہ وہ وقت تھا کہ سینٹ ٹامس خود شک کی حالت میں تھا۔؟

پادی نے کہا اس طرح عیسیٰؑ نے اپنی موت کے ذریعے ان لوگوں کی نجات کا

بندوبست کیا۔ اگر عیسیٰ اس وقت یہودی کے کہنے پر صلیب سے اتر آتے تو انسانوں کو خدائی قوانین کے ذریعہ نجات نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ خدا کا قانون تھا کہ نجات عیسیٰ کی موت کے ذریعہ ہو گی۔ اس کے علاوہ عیسیٰ نے ٹامس کے شکوک کو اس طرح سے لیا جیسا کہ باپ اپنے بیٹے پر رحم کھاتا ہے شفقت کرتا ہے۔ اس لئے اس نے اسے اپنے ہاتھ دکھائے تاکہ کہیں وہ گمراہ ہو جائے۔ ٹامس نے خود کوئی شرط نہیں کھی تھی اور نہ کوئی مطالبہ کیا تھا۔"

بادشاہ نے یہ سوال بھی پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ خدا باپ کا کوئی فانی جسم نہیں ہے' مگر یہ کہ عیسیٰ اپنے باپ کے دائیں ہاتھ کی جانب بیٹھا؟ پادری نے کہا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ باپ کے دائیں ہاتھ کی جانب بیٹھا تو اس سے ہمارا مطلب جسمانی طور پر بیٹھنا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ عیسیٰ خود خدا ہے تو وہ بھی وہی شان' عظمت اور وقار رکھتا ہے کہ جو "باپ" کا ہے اور اس کا وہ ہمسر ہے۔ لیکن وہ انسان بھی ہے اس لئے اپنے باپ کے مقابلہ میں کم تر ہے لیکن اپنے باپ سے فرشتوں اولیاء اور بادشاہوں و حکمرانوں کے مقابلہ میں زیادہ عزت پاتا ہے۔ اس لئے عیسیٰ کو جو شان و شوکت ملی ہے وہ دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ اس کی علامت دایاں ہاتھ ہے کہ جو بائیں ہاتھ کے مقابلہ میں زیادہ برتر ہے۔

بادشاہ اور دوسرے حاضرین اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔ مگر ایک تیز و طرار شخص نے اس پر اعتراضات کئے اور کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ عیسیٰ نے مالکس کے ملازم کا کٹا ہوا کان دوبارہ سے واپس لگا دیا۔ بادشاہ نے اس شخص کو جھڑکتے ہوئے خاموش کرا دیا۔ اگرچہ مسلمان اس سے انکار کرتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے' مگر وہ بحیثیت پیغمبر اس کی عزت کرتے ہیں۔ درحقیقت ان کی اس سے نجات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے صرف اس بات کو تسلیم کر لیں کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے وہ شخص کہ جس نے اس معجزے سے انکار کیا تھا وہ بادشاہ کا خاص حکیم ہے اور وہ سائنسی علوم میں مہارت رکھتا ہے۔

دریائے سندھ

دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچ کر فوج کو آرام کرنے کا حکم ملا۔ کیمپ ایک کھلے

میدان میں لگایا گیا کہ جہاں نہ تو ایندھن کے لئے لکڑی کی کمی تھی۔ اور نہ مویشیوں کی۔ قریبی گھنے جنگلوں میں شکار کی بہتات تھی۔ اس لئے بادشاہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور شکار میں مصروف ہو گیا۔ ان وجوہات کی بناء پر یہاں فوج پچاس دنوں تک ٹھہری رہی۔ ہمارا قیام ہزارہ شہر میں تھا کہ جو نیلاب سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ نیلاب ایک قلعہ ہے کہ جو دریا کے نزدیک ایک پہاڑی پر واقع ہے۔

دریائے سندھ ہندوستان کے تمام دریاؤں میں سب سے بڑا ہے۔ اس کا ماخذ ہمالیہ کے پہاڑ ہیں۔ جب برف پگھلتی ہے تو دریا میں پانی آتا ہے۔ بعد میں پانچ دریاؤں کا پانچ جمع ہو کر سمند میں جا گرتا ہے۔ اس کے ماخذ کے قریب دریا کے کناروں پر ہمسایہ علاقے کے لوگوں کو وافر مقدار میں بہترین قسم کا سونا ملتا ہے۔ یہ دریا پہاڑیوں' گھاٹیوں' اور کئی علاقوں سے گذرتا ہوا آتا ہے اور جب یہ میدانوں میں آتا ہے تو اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

دریا کے پانی میں اس قدر طاقت اور قوت ہوتی ہے کہ ہاتھیوں کو بھی اس میں سے گذرنا مشکل ہوتا ہے۔ 13 جون سے لے کر 15 اگست تک دریا پانی سے بھرا ہوا ہوتا ہے یہ پانی بارش کا نہیں' بلکہ پگھلی ہوئی برف کا ہوتا ہے۔ یہ جب سمندر میں جا کر گرتا ہے تو اس کا ریلہ اس قدر تیز اور سخت ہوتا ہے کہ اس سے سمندر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ اس لئے میٹھے پانی کو سمندر کے ساحل سے چالیس میل کے فاصلہ تک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس علاقے کے لوگ دریائے سندھ کو "نیلاب" کے نام سے پکارتے ہیں۔ جس کے معنی فارسی میں "نیلے پانی" کے ہیں۔ یہ نام اس لئے مناسبت سے ہے کیونکہ یہاں دور سے پانی نیلا نظر آتا ہے۔

جب فوج دریائے سندھ کے ساحل پر کیمپ لگائے ہوئے تھی تو اس عرصہ میں بادشاہ نے اس علاقہ کے لوگوں سے بات چیت کی کہ وہ اسے دریا عبور کرنے کی غرض سے کشتیاں مہیا کریں اور لکڑی کا انتظام کریں کہ پل بنایا جا سکے۔ یہ بادشاہ کی خوش قسمتی تھی کہ دو مقامی سردار جو آپس میں دشمنی رکھتے تھے وہ اس کے دربار میں حاضر ہوئے تاکہ وہ اپنے اختلافات اس کے سامنے رکھیں۔ بادشاہ نے ان دونوں میں صلح کرائی اور ان کی مدد سے کافی لکڑی حاصل کر لی کہ جن سے چالیس چھوٹی کشتیاں بنائی جا سکتی تھیں۔

جس وقت یہ کاروائی ہو رہی تھی' بادشاہ کی راتیں اکثر جنگی معاملات پر امراء اور جنرلوں سے مشوروں میں گزرتی تھیں۔ دن میں وہ شکار کھیلتا۔ کھیل کی تقریبات منعقد کراتا اور جانوروں کی لڑائیوں کا انتظام کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ اپنے لامحدود ذرائع لوگوں کو دکھائے اور انہیں مرعوب کرے۔ ان تماشوں اور تفریحات کے ذریعہ وہ عملی طور پر یہ سیکھتا تھا کہ فرائض کو کیسے اور کس طرح ادا کیا جائے۔ اس نے اپنی مشاورتی کونسل میں جادوگروں اور نجومیوں کو شامل کر رکھا تھا کہ جو اسے بتاتے تھے کہ کون سا دن' اور گھڑی بہتر ہے کہ جس میں اسے سفر کرنا چاہئے یا قیام کرنا چاہئے۔ وہ ان کے فیصلوں کی عزت کرتا تھا' یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ خواں رہتے تھے۔ بادشاہ کی اس دانشمندی کو بھی سراہنا چاہئے کہ جب وہ دشمن کے علاقہ میں داخل ہوا تو اس نے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں' حالانکہ دشمن طاقت و قوت میں اس سے بہت کم تر تھا۔ بادشاہ کی اس دور رسی کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے کہ اپنی فتوحات کے باوجود اس میں رعونت نہیں آئی۔ اور ہر موقع پر اس نے ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ کارروائی کی۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھتا تھا کہ جنگ کے بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ دشمن تعداد میں کم ہو سکتا ہے' مگر بہادری اور جنگ جوئی میں بڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ وہ آنے والی جنگ سے اس لئے بھی بچنا چاہتا تھا کیونکہ مقابل میں اس کا اپنا بھائی تھا۔ اگرچہ ناشکرگزار اور احسان فراموش لوگوں نے اسے گمراہ کر دیا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ جب مرزا حکیم نے راہ فرار اختیار کی تو اس موقع پر اس نے پادری کو بلا کر پوچھا تھا کہ کیا وہ اپنے بھائی کا پیچھا کرے؟ اس پر پادری نے کہا:

"آپ جہاں ہیں۔ وہیں پر ٹھہرے رہیں۔ اور پیچھا نہیں کریں' کیونکہ وہ آپ کا بھائی ہے۔ آپ کی رشتہ داری کا جذبہ غصہ اور تلخی کو ختم کر دے گا' یہ صحیح ہے کہ آپ کا غصہ جائز ہے' مگر اس سے آپ کا جو تعلق ہے وہ آپ کو اس کی تباہی سے روکے گا۔ معافی دینے میں جو شان ہے وہ انتقام لینے یں نہیں ہے۔ انتقام اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب کئی معصوم لوگوں کو نقصان پہنچایا جائے اور انہیں برباد کر دیا جائے"۔

بادشاہ نے اس جواب کو بہت زیادہ پسند کیا اور اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا! "دیکھو یہ پادری کس قدر امن پسند اور ملنسار ہے۔ یہ پادری اس کے حق میں ہے

کہ ہم بھگوڑوں کا تعاقب نہیں کریں"۔

لیکن اس خیال سے کہ اس کا بھائی اس کو کمزوری نہ سمجھ بیٹھے اور پھر سے جنگ شروع نہ کر دے۔ بادشاہ نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے بھائی کو اس حد تک لے جائے کہ جہاں وہ اپنی کمزوری اور شکست کو تسلیم کر لے۔ دوسری طرف بادشاہ نے یہ بھی طے کر لیا کہ جہاں تک ہو سکے گا وہ شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ رحم و مروت کا سلوک کرے گا۔

مراد کی پیش قدمی

چونکہ دریا میں بہت پانی تھا' اس لئے اس پر پل تو نہ بنایا جاسکا' لہٰذا فوج کو کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کرنا پڑا۔ بادشاہ نے اپنے اس لڑکے کو جسے پادری پڑھا رہا تھا ہراول دستہ کا سربراہ بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجومیوں نے یہ پیشین گوئیاں کیں تھیں کہ ستاروں کی حرکت بتاتی ہے کہ شہزادے کی قسمت میں کامیابی لکھی ہے۔ (کیا لغویت ہے؟) اس نے قلیچ خاں کو کہ جو سورت کا گورنر تھااس کے ہمراہ کر دیا' کیونکہ یہ ایک تجربہ کار ماہر جنگ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ نارنگ خاں' چمپانیر کا گورنر (اس کا باپ قطب الدین خاں جو شہزادہ کا اتالیق تھا) ور مان سنگھ' راجپوت سردار تھے۔ مان سنگھ ہندوستانی ہے اور بتوں کی پوجا کرنیوالا ہے۔ قلیچ خاں کے ہمراہ مغل سوار' نارنگ خاں کے ساتھ گجراتی گھڑسواروں کا دستہ' اور مان سنگھ کے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے سردار تھے کہ جو اپنی افواج کے ساتھ تھے۔ ان سب کی تعداد ملا کر ایک ہزار گھڑسوار تھی۔ بادشاہ نے 500 ہاتھیوں کا اس فوج میں اضافہ کر دیا۔ اس نے اس بات کا بڑا خیال رکھا کہ فوج نیک ساعت میں روانہ ہو۔ وہ اپنے لڑکے کو شاہی خیمہ کے دروازے تک چھوڑنے آیا اور جب وہ مسلمانوں کے انداز میں رخصت ہونے لگا تو اس سے بغل گیر ہوا اس کے بعد شہزادہ معہ ساتھیوں کے کشتیوں میں سوار ہوا دریا پار کرنے کے بعد 1581ء میں شہزادہ نے معہ فوج کے آگے کی جانب مارچ کیا۔

مرزا حکیم کی سفارت

شہزادے کو آگے روانہ کرنے کے بعد بادشاہ اپنی فوج کی ترتیب و تنظیم میں مصروف ہو

گیا۔ مغل عام طور سے گھسان کی لڑائی نہیں لڑتے ہیں۔ وہ ہمیشہ تھوڑی فوج میدان جنگ میں بھیجتے ہیں۔ جب کہ بقیہ فوج دائیں و بائیں' اور عقب میں چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ جب بھی ضرورت ہو' لڑنے والی فوج کی مدد کی جا سکے۔ اکثر یہ ہوا کہ دشمن کی فوج نے بھاگتے ہوئے مغلوں کا تعاقب کیا۔ مگر عقب میں موجود فوج نے اچانک حملہ کر کے شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ اس جنگی حکمت عملی سے وہ اپنی فوج کے ایک حصہ کو تازہ دم رکھتے ہیں تاکہ تھکے ہوئے دشمن پر حملہ کر کے اسے شکست دے سکیں۔

جب مرزا حکیم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہ اطلاعات ملیں کہ شہزادے نے دریا عبور کر لیا ہے اور ایک بڑی فوج کے ساتھ وہ اس کی جانب آ رہا ہے' تو اس نے فیصلہ کیا کہ اپنے بھائی سے معافی مانگے' غیر مشروط طور پر ہتھیا ڈال دے اور یہ وعدہ کرے کہ آئندہ نہ تو وہ اسے جنگ کرے گا' نہ کسی سازش میں حصہ لے گا اور نہ ہی دشمنوں کے ورغلانے میں آئے گا۔ اس غرض سے اس نے اپنے سفیروں کو بھیجا کہ وہ اس کے لئے امن حاصل کریں۔ یہ اپنے ہمراہ بطور تحفہ گھوڑے و خچر لائے (جو کہ اس ملک میں بہتات سے ہیں) ان کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء اور نقد رقم تاکہ بادشاہ کو خوش کیا جا سکے۔ ان تحائف اور سفارت سے مرزا حکیم نے اپنی امن کی خواہشات اور قریبی تعلقات کو ظاہر کیا۔ ان تحائف کو لانے والے دو بوڑھے آدمی تھے کہ جن کی لمبی لمبی داڑھیاں تھیں۔ بادشاہ نے جو کہ امراء کے درمیان گھرا ہوا تھا بڑے وقار اور شان سے ان سفیروں کا استقبال کیا۔ استقبال کے وقت بادشاہ نیزے کا سہارا لئے کھڑا تھا' اور اس کے قریب اس کا بڑا لڑکا اور چند امراء کے لڑکے تھے۔ جس وقت وہ سفیروں سے بات چیت کر رہا تھا' اسی وقت سپاہیوں میں جنگی مقابلے ہو رہے تھے اور بھینسوں کے درمیان لڑائی بھی جاری تھی۔ یہ سب کچھ طے شدہ منصوبہ کے تحت تھا اور سفیروں کو یہ تاثر دینا تھا کہ بادشاہ کوئی جنگ کرنے نہیں آیا ہے بلکہ وہ ان کھیلوں اور تماشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اسے اپنے بھائی کی فوج کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے او خود اس کی فوج طاقت ور مضبوط اور ناقابل شکست ہے اس نے اپنے قریبی مصاحب ابوالفضل کو حکم دیا کہ وہ مرزا حکیم کے خطوط کو پڑھے۔ سننے کے بعد اس نے ان کے متن پر اظہار

اطمینان ظاہر کیا اور سفیروں کو دربار سے رخصت کر دیا۔
بادشاہ کا لڑکا پہاڑی (مراد) جو کچھ کرتا تھا' اس کی تمام خبریں روزانہ بادشاہ کو مل جایا کرتی تھیں۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ کیمپ کو اس وقت تک قائم رکھا جائے جب تک کہ اس کا لڑکا مرزا حکیم کی فوج کے قریب نہ پہنچ جائے۔ وہ لوگ جو بادشاہ کے ساتھ کیمپ میں تھے دیر ہونے کی وجہ سے بے چین تھے۔ اس وجہ سے ان میں سے کچھ نے قریبی جنگل میں آگ لگا دی تاکہ فوج کو ایندھن نہ مل سکے اور مجبوراً بادشاہ کو کیمپ اٹھا کر مارچ کرنا پڑے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آگ لگانے والے مرزا حکیم کے حمایتی تھے۔ اس آگ کے لگنے سے بادشاہ کو اس قدر غصہ آیا کہ اس نے عہد کیا کہ اگر مجرم پکڑے گئے تو انہیں فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ بادشاہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اس کے کچھ درباریوں نے کہا کہ یہ آگ محض ایک حادثہ تھی کہ جو چرواہوں کی غلطی کی وجہ سے بھڑک اٹھی۔ اس پر اس نے تحقیقات کو روکنے کا حکم دیا۔

مونسیراٹ کی بادشاہ سے بحث

شہزادے کے جانے کے دو دن بعد بادشاہ نے پادری کو رات کے وقت بلایا تاکہ وہ اس سے مذہبی و دنیاوی مسائل پر بات چیت کرے۔ سب سے پہلے تو اس نے اس کے سامنے اٹلس رکھی اور پوچھا کہ اس میں پرتگال کہاں ہے' اور خود اس کی سلطنت کا محل وقوع کیا ہے اس کو تعجب ہوا کہ ہمیں ہندوستان کے اتنے صوبوں اور شہروں کے نام معلوم ہیں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ پادری نے شادی کیوں نہیں کی؟ کیونکہ یہ تو خدا کا حکم ہے کہ ہر شخص کو شادی کرنا چاہیئے۔ کیا پادری اپنی بات کا تضاد نہیں کرتا ہے کہ جب وہ کہتا ہے کہ شادی کرنا بھی اچھا ہے اور تجرد بھی اچھا ہے۔ اس پر پادری نے جواب دیا: "کیا جناب عالی کو اس کا پتہ نہیں دو اچھی چیزوں میں سے ایک زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ مثلاً چاندی اچھی ہے' اور نیکی سب سے زیادہ اچھی ہے۔ چاند خوبصورت' مگر سورج اس سے زیادہ خوبصورت و برتر ہے۔"
بادشاہ نے اس جواب کو پسند کیا اور اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس پر پادری

نے مزید اضافہ کیا۔" پادری کنوارے اور غیر شادی شدہ رہتے ہیں تاکہ وہ زندگی میں اچھے کام کر سکیں۔ وہ اس طرح حضرت عیسیٰؑ کی تقلید کرتے ہیں۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ بیوی بچوں اور خاندان کی فکروں سے آزاد یہ اپنا وقت دنیاوی معاملات سے دور اللہ کے لئے صرف کر سکیں۔ خدا کے چھٹے حکم کے تحت عیسائیوں پر دنیا کی تمام آسائشیں ممنوع قرار دیدی گئی ہیں۔ دیکھا جائے تو درحقیقت تمام انسانوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔"

اس پر بادشاہ نے گفتگو کاٹتے ہوئے سوال کیا کہ "کیا تم یہ نہیں کہتے ہو کہ عیسیٰ خدا ہے؟ تو کیا پھر تم اس کی تقلید کرنے میں غلطی تو نہیں کر رہے ہو؟"

پادری نے جواب دیا کہ "ہمارا اس پر ایمان ہے کہ عیسیٰ خدا ہے۔ اور ہم اس کو بار بار دھراتے بھی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ انسان ہے۔ بحیثیت انسان کے اس نے کنوارے پن کو اختیار کر کے عفت و عصمت کو برقرار رکھا لٰہذا ہم اس کی اس سلسلہ میں پیروی کرتے ہیں۔ عیسیٰ۔ خدا کی نسبت صحیح ہے کہ یہ کوئی مجہول اور عقل سے کورا ہو گا کہ جو اس کی تقلید کرنے کا سوچے۔ لیکن دوسری طرف عیسیٰ انسان کی تقلید کرنا نیکی و پارسائی ہے۔ ہم اس کی انکساری قربانی' پاکی فقر' اطاعت گزاری اور اس جیسی دوسری صفات کو اختیار کرتے ہیں۔ کوئی بھی مصور یا مجسمہ تراشنے والا' چاہے وہ اپنے فن میں کسی قدر ماہر اور استاد ہو' فطرت کی ہوبہو تصویر بنا سکتا ہے اور نہ اسے پتھر میں ڈھال سکتا ہے۔ وہ صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے اپنے کام میں فطرت کی عکاسی کر دی ہے۔ اگرچہ ہم سب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم تمام نیکیوں میں عیسیٰ کی پیروی کرتے ہیں لیکن دیکھا جائے تو حقیقت میں ہم ان سے بہت دور ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ خود عیسیٰ ہمارے اس عمل سے خوش ہے' اور اس تقلید کو قطعی وہ گستاخی یا بدتمیزی نہیں سمجھتا ہے۔"

جب کنوارے پن اور شادی کے بارے میں تفصیل سے بحث ہو چکی اور بادشاہ کے پاس اس مسئلہ پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ تو اس نے روز قیامت کے بارے میں سوالات کیئے۔ کیا اس دن عیسیٰ بطور منصف اور جج کے ہو گا؟ اور یہ کب واقع ہو گی؟ دوسرے نکات کی وضاحت کرتے ہوئے پادری نے کہا:" یہ تو صرف خدا ہی

کو معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس نے اپنی لامحدود دانشمندی کی بناء پر اس کو ہم سے راز ہی میں رکھ رکھا ہے۔ عیسیٰ نے بھی اس کو اپنے ماننے والوں پر ظاہر نہیں کیا تاکہ وہ اس وجہ سے غافل نہ ہو جائیں کہ ابھی اس کے آنے میں بہت دیر ہے یا اس لئے غم زدہ نہ ہو جائیں گے کہ یہ جلدی ہی آنیوالی ہے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ ہم اس دن کے لئے تیار رہیں۔ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں کہ جو اس نے ہمیں دی ہیں۔ اور خود کو تمام گناہوں سے اور ان تمام چیزوں سے کہ جن سے اس نے منع کیا ہے دور رہیں۔ یہ سب اس لئے کہ یوم حساب پر ہمیں اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ دن کب آئے گا۔ لیکن ایسی نشانیاں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی کہ جن سے معلوم ہو سکے گا کہ یہ دن کب آنے والا ہے۔"

اس پر بادشاہ نے پوچھا کہ وہ نشانیاں کیا ہوں گی؟ پادری نے جواب میں کہا "عیسیٰ نے خاص طور سے جنگوں' بغاوتوں' قوموں و سلطنتوں کے زوال' ایک دوسرے پر حملے ایک قوم کے ذریعہ دوسری قوم کی تباہی اور ایک سلطنت کے ذریعہ دوسری سلطنت کی بربادی کو بطور نشانیاں بتایا ہے۔ اور ان چیزوں کو ہم اپنے زمانے میں مسلسل ہوتے دیکھ رہے ہیں۔"

بادشاہ نے ان تمام باتوں کو بڑے غور سے سنا۔ اس کے بعد اس نے چند احمقانہ اور فضول سے سوالات عیسیٰ کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں کئے' جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کو ان باتوں پر یقین نہیں ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اسلام اور عیسائیت کے درمیان اختلافات پر سوالات کئے۔ چونکہ رات زیادہ ہو گئی تھی اس لئے بحث اور آگے نہیں بڑھی اور بادشاہ آرام کی غرض سے اندر چلا گیا۔

اکبر کی پیش قدمی

جب مرزا حکیم نے اس کا اندازہ لگا لیا کہ اکبر اس کے خلاف ہر قسم کے اقدامات کے لئے تیار ہے تو اس نے یہی بہتر سمجھا کہ کسی طرح سے جنگ کو ٹالا جائے اور اس سے پہلے کہ حالات خراب ہوں اسے اپنے بھائی سے صلح کر لینی چاہئے۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہتھیار ڈال دے۔ لیکن اس کے ماموں فریدوں خاں نے اس کی بھرپور مخالفت

کی کیونکہ وہ اکبر کو پسند نہیں کرتا تھا اور اکبر سے غداری کر کے مرزا حکیم سے آملا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ دونوں بھائیوں میں صلح ہو۔ اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر اس نے مرزا حکیم کی زندگی تباہ کر دی۔ اور اس صدمہ نے بالاخر اس کی جان لے لی۔ اس کی دلیل تھی کہ اکبر کی فوج کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ چند کالے کلوٹے' بت پرست ہندوستانیوں پر مشتمل ہے' اور اس کے گھڑ سوار دستے جو تجربہ کار ہیں۔ اس فوج کو شکست دینے کے لئے کافی ہیں۔ اس لئے نہ تو جنگ سے ڈرنا چاہیئے اور نہ اسے ٹالنا چاہیئے۔ جب اکبر کو اپنے مخبروں کے ذریعے خبر ملی کہ مرزا حکیم اندر ہی اندر جنگ کی تیاری کر رہا ہے اور صلح کے وعدے سے پھر رہا ہے تو اس نے بھائی اور بہن بخت انساء کی جانب سے بھیجے گئے سفیروں کو دربار سے رخصت کر دیا اور دریائے سندھ کو عبور کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔ سفیروں کو رخصت کرتے ہوئے اس نے اپنی بہن کے سفیروں کو نقد رقم دی اور مرزا حکیم کے سفیر کو چند استعمال شدہ کپڑے۔ سفیروں کو رخصت کرنے کے بعد دو مرتبہ دریا کو پار کرنا چاہا مگر دونوں مرتبہ نجومیوں کے کہنے پر اس نے ارادہ ترک کر دیا۔ آخر کار جب نیک ساعت آئی تو اس نے دریا پار کیا اور دوسری جانب کیمپ لگایا۔ اس موقع پر بھی کہ جب بادشاہ بہت مصروف تھا' اسے پادری کا خیال رہا اور اس نے خصوصیت سے اپنے ایک مصاحب کو ہدایت دی کہ وہ اسے بحفاظت دریا پار کرائے۔

یہ علاقہ اپنے مرکی شہر کے نام سے مشہور ہے جیسا کہ اس ملک میں دستور ہے۔ یعنی کابل' اس علاقہ میں اب پٹھان آباد ہیں۔ ان کا تعلق گندھارا اور سوستان سے ہے اور انہوں نے ہندوستان پر حملے کر کے اس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کا ملک دیائے سندھ اور سوستان کے درمیان واقع ہے۔

مذہبی بحث

بادشاہ اس وقت وہاں مقیم رہا جب تک کہ پوری فوج بحفاظت دریا پار کر کے نہ آگئی۔ اس دوران میں اس نے خود کو مصروف رکھا' کچھ وقت تو وہ دست کاروں کے ساتھ گزارتا اور ان کا کام دیکھتا اور باقی وقت بحث و مباحثہ میں صرف کرتا۔ اس کے دربار

کے علماء نے مقدس الٰہی کتابوں پر بحث چھیڑ دی' اس پر اس نے حکم دیا کہ یہ سب کتابیں اس کے سامنے لائی جائیں۔ اس موقع پر اس نے پادری کو بھی بلالیا۔ پادری نے بادشاہ کے حکم پر کتابوں کو کھولا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان تصاویر کے بارے میں وضاحت کی کہ جو کتاب مقدس میں تھیں۔ پادری نے عہد نامہ کے صندوق کے بارے میں بتایا اور یہ کہ اس میں کیا محفوظ ہے۔ اس نے سنہری مشعل دان کے بارے اور سنہری میز کہ جس پر خمیری روٹی رکھی جاتی ہے اس کے بارے میں وضاحت کی۔ یہ تمام باتیں اس نے بہت سادہ انداز میں بتائیں تاکہ حاضرین ان کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ مسلمان چونکہ بت پرستی سے نفرت کرتے ہیں' اس لئے تصاویر پر بحث ہوئی کہ یہ جائز ہیں یا نہیں۔ پادری نے کہا کہ خدا نے جھوٹے خداؤں یا دیوتاؤں کی تصاویر اور مجسمے بنانے سے منع کیا ہے' مگر اولیاء کے مجسّمے بنانے کے سلسلہ میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ اس نے حکم دیا ہے کہ فرشتوں کی تصاویر کو بنایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد نوح کی کشتی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ بادشاہ نے اس تمام گفتگو کو دلچسپی سے سنا۔ لیکن کہیں کہیں اس نے ایسا ظاہر کیا کہ وہ دوسرے معاملات کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ تاکہ اس کے درباریوں کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ پادری کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے۔ لیکن اس نے سب کے سامنے عیسیٰ کی تصویر کو چوما اور اس سے عقیدت کا اظہار کیا۔

مراد کو روکنا

اسی دوران خبر ملی کہ نارنگ خان کی قیادت میں جو چار ہزار گھڑ سوار بطور ہراول گئے تھے انہیں کابل کے قریب روک دیا گیا ہے۔ مرزا حکیم نے اپنے پندرہ ہزار مغل سواروں کے ساتھ اس پر بھرپور حملہ کیا۔ نارنگ خاں نے فوری طور پر مان سنگھ سے مدد طلب کی لیکن اس کو وہاں پہنچتے پہنچتے دیر ہو گئی۔ اس خبر کی وجہ سے پہاڑی کے کیمپ میں بے چینی پھیل گئی اور کچھ نے تو بھاگنا شروع کر دیا۔ شہزادے نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے فوجی میدان جنگ سے فرار ہو رہے ہیں وہ گھوڑے سے اترا اور برچھا ہاتھ میں لے کر اس نے اعلان کیا کہ وہ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گا چاہے وہ

تنہا رہ جائے اور دشمن کی پوری فوج اس پر حملہ کر دے۔ اگر وہ زندہ بچا تو ان لوگوں کو یاد رکھے گا کہ جنہوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جب فوجیوں نے اس لڑکے کی بہادری کو دیکھا (اس وقت وہ صرف بارہ سال کا تھا) اور اس کے جرات انگیزی اعلان کو سنا تو انہیں شرم آئی اور وہ فوراً" شہزادے کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت مان سنگھ بھی اپنی فوج کے ساتھ مدد کے لئے آگیا۔ ساتھ ہی میں ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی آیا۔ ان کو دیکھ کر وہ گھوڑے خوف زدہ ہو جاتے ہیں کہ جنہوں نے اس سے پہلے انہیں نہیں دیکھا ہوتا ہے اور اس عالم میں اپنے سواروں کو زین پر سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔ اس مدد کے بعد شہزادہ اس قابل ہوا کہ اپنی فوج کو میدان جنگ میں پوری ترتیب کے ساتھ اتارے۔

یہ صورتحال دیکھ کر مرزا حکیم نے فریدوں خاں کو برا بھلا کہا کہ اس نے یہ کہہ کر اسے دھوکہ دیا کہ جلال الدین کی فوج معمولی ہے اور یہ کہ اس کو قطعی نہیں بتایا گیا کہ اتنی بڑی فوج اس کی سلطنت میں داخل ہو گئی ہے۔ لٰہذا اس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا اور اس طرح وہ میدان جنگ چھوڑ کر چلا گیا۔

مغل حکمت عملی

پہاڑی کہ جس نے مغل فوج کو روایتی انداز میں ترتیب دیا تھا وہ میدان جنگ میں رہا اور وہاں اپنے والد کے احکامات کا انتظار کرتا رہا مغل فوج کی ترتیب اس طرح سے ہوتی ہے۔ مغل گھڑسوار ہلال کی شکل میں منظم ہوتے ہیں۔ یہ تین حصوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ دائیں' بائیں اور مرکز' گھڑسواروں کے عقب میں پیادہ فوج ہوتی ہے اور ان کے بعد ہاتھی۔ انہیں کسی بھی صورت میں آگے نہیں رکھا جاتا ہے تاکہ دشمن ان کو نہ دیکھ سکے اور زخمی ہو کر کہیں یہ اپنی ہی فوج میں بے ترتیبی پیدا نہ کریں۔ جب فوج حملہ کرتی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ دائیں و بائیں دستے دشمن کو گھیرے میں لے لیں۔ ہاتھی دشمنوں کو نقصان پہنچانے سے زیادہ انہیں خوف زدہ کرتے ہیں۔ یہ بطور دکھاوے کے زیادہ بہتر ہیں۔ مگر یہ فتح کا سبب نہیں ہوتے ہیں۔ جب وہ زخمی ہوتے ہیں تو ہر اس شخص یا چیز پر حملہ کرتے ہیں کہ جو ان کے راستہ میں آتی ہے۔

اس میں یہ دوست یا دشمن کی کوئی تمیز نہیں کرتے ہیں۔ انہیں آسانی سے آگ کے ذریعہ بھگایا جا سکتا ہے' اگر ان کی سونڈھ پر حملہ کیا جائے تو وہ فوراً پیچھے کی جانب بھاگتے ہیں۔ جو گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ بادشاہ کی فوج میں اونٹ سوار بلوچیوں کا بھی ایک دستہ ہے۔ اونٹ بھی گھوڑے کی طرح میدان جنگ میں چست و چالاک اور پھرتیلا ہوتا ہے۔ جب لڑائی ہو تو وہ بھی پوری شدت کے ساتھ ثابت قدمی سے لڑتے ہیں۔ اگر وہ کسی کو پکڑ لیتے ہیں تو اس پر اس زور سے پیر رکھتے ہیں کہ اسے کچل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔

پشاور

بادشاہ جب پشاور پہنچا تو اسے خبر ملی کہ پہاڑی اور اس کی فوج کے ساتھ کیا بیتی۔ لہٰذا وہ تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا کابل بڑھا' اور اپنے ساتھ آزمودہ گھڑسوار اور پٹھان فوجی لئے۔ جانے سے پہلے اس نے بڑی باقاعدگی اور عمدگی کے ساتھ فوج کے انتظامات اس طرح سے کیے۔ اس نے فوج کا ایک دستہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر اپنی سلطنت کی حدود میں چھوڑا اور دوسرا دستہ مغربی کنارے پر تاکہ دریائے سندھ کے راستہ کی حفاظت کرتے رہیں۔ اپنے بڑے لڑکے کہ جس سے وہ بے انتہا محبت کرتا تھا اور جس کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی۔ اس کو حکم دیا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے' اس میں اس کی تمام بقایا فوج' توپ خانہ' رسد خزانہ' اور فوجی اسلحہ شامل تھا۔ اس کو پشاور سے چل کر جلال آباد میں قیام کرنا تھا۔ اس کے ساتھ شاہی بیگمات' شہزادیاں اور دوسری خواتین بھی تھیں۔ بھگوان داس' جو کہ مان سنگھ کا باپ ہے اس شہزادے کا نگران مقرر کیا اور فوج کی کمان بھی اسی کو سونپی گئی۔

دو پٹھان سردار کہ جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں وہ اپنے ہمراہ 14 سواروں کا دستہ لائے۔ ایک اور پٹھان سردار معہ تین سو فوجیوں کے بادشاہ کی فوج میں شامل ہوا۔ اس کا باپ ایک جنونی فرقہ کا بانی تھا (روشیہ) کہ جس میں زبردستی لوگوں کو شامل کیا جاتا تھا۔ اگر اس فرقہ کو علاقہ کے حکمراں اور سردار سختی سے ختم نہیں کر دیتے تو اس سے بچنا مشکل ہوتا۔ اس کے ساتھ چار سو کے قریب وہ بدمعاش اور قرضدار شامل تھے کہ

جنہیں امید تھی کہ اس کے ساتھ مل کر اور لوٹ مار کر کے وہ اپنی زندگی کو بدل لیں گے۔ انہیں اپنے راہنما سے اس قدر عقیدت تھی (اس کی موت کے بعد یہی عقیدت اس سے رہی کہ جو اس کا جانشین بنا) کہ طاقت ور سے طاقت ور حکمراں اور سردار بھی ان کی وفاداری کو تبدیل نہیں کر سکے۔ اور وہ اس کی تعلیمات پر سختی سے قائم رہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے بہت سے مریدوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا مگر جو بچے رہے وہ اپنے مسلک سے نہیں ہٹے۔ جب انہوں نے سنا کہ جلال الدین ان کے علاقے میں آرہا ہے تو انہوں نے خو کو اس کے حوالہ کر دیا۔ بادشاہ نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے مذہب اور عقیدت میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ انہیں اجازت ہے کہ اپنے پیر کے لڑکے کی اطاعت کریں۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ اگر وہ انہیں مذہبی آزادی دے گا تو یہ لوگ اپنے علاقے میں مطمئن اور پرامن رہیں گے۔ اس کو اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ ہر ایک کو مذہبی آزادی دینے کے نتیجہ میں وہ دراصل تمام مذاہب کو برباد کر رہا ہے۔

ہمارا اگلا قیام پیرپور کا شہر تھا کہ جہاں پہاڑی پر ایک قلعہ بنا ہوا تھا۔ لیکن اس کا دفاع کرنیوالا کوئی نہیں تھا۔ مرزا حکیم کا اس شہر پر کچھ عرصہ قبضہ رہا تھا۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ مان سنگھ مغل فوج کے ساتھ آرہا ہے تو اس نے یہ شہر چھوڑ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ امن میں اس شہر کی آبادی' اپنے عقیدت' لباس طرز رہائش کے لحاظ سے بال ناتھ فرقہ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ مقامی لوگوں میں اس کو گور کتھری کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ "گرو کا ٹھکانہ" کہا جاتا ہے کہ جو گرو یہاں رہتا تھا وہ بال ناتھ کا استاد تھا۔ یہ جگہ اس قدر مقدس ہے کہ خدا نے جب اس کائنات کو تخلیق کیا تو اس کے نمونہ پر اس کی تشکیل کی۔ خبر ملی کہ بادشاہ نے گرو کے اس ٹھکانہ کی زیارت کی اور بطور عقیدت اپنے بال کھول کر دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا۔

خیبر

بادشاہ کے جانے کے دوسرے دن شہزادے نے بھی آگے کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔دو دن کے بعد وہ ایک تنگ' دشوار پہاڑی درے پر آیا کہ جسے مقامی لوگ خیبر

کہتے ہیں۔ فوج نے بڑی مشکلوں کے بعد اس درے کو عبور کیا۔ اس بات کی کوشش کی گئی کہ جلدی جلدی راستہ کو پختہ کر لیا جائے۔ اس کام میں ماہر و تجربہ کار کاریگروں و انجینئروں کی خدمات حاصل کی گئیں' لیکن ان کی کوششوں کے باوجود ہاتھیوں (جن کی تعداد کافی تھی) سامان سے لدے اونٹوں اور مویشیوں کے ریوڑ کو راستہ طے کرنے میں بڑی دشواری ہوئی۔ راستہ اس قدر خطرناک تھا کہ اگر کوئی جانور ذرا بھی پھسل جاتا تو وہ معہ سامان اور سوار کے گہری کھائیوں میں جاگرتا۔ سواریوں میں شاہی بیگمات' شہزادیاں' امراء کی بیویاں اور بنگال کے حکمراں داؤد کی بیگم' جس سے اس کے کئی لڑکے تھے' یہ سب شامل تھیں۔ جلال الدین اس کو اپنے ساتھ تحفظ کے طور پر لے آیا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس کے پاس یرغمال کے طور پر ہے' اس کی فتح کی نشانی بھی ہے اور یہ کہ یہ سب دیکھ کر پٹھان اس کے خلاف بغاوت نہ کریں۔ کیونکہ پٹھانوں کو صرف طاقت کے ذریعہ ہی سے قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس ملکہ کے ساتھ اس کی کئی لڑکیاں بھی تھیں۔ چڑھائی پر چڑھتے ہوئے گھوڑوں کو اونٹوں اور ہاتھیوں کے مقابلہ میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ کیونکہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے طاقتور اور چست و چالاک ہوتے ہیں اور اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ کھردرے اور پتھریلے راستوں پر چل سکیں۔

شہزادے نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ کوئی بھی شاہی ہاتھیوں اور اونٹوں کے آگے نہ جائے۔ جب یہ گزر جائیں تو کچھ گھوڑے ان کے بعد چڑھائی چڑھیں۔ شہزادے کے لئے یہ باعث فخر تھا کہ اس سفر اس نے اپنی والدہ' شہزادیوں' اور دوسری خواتین کے آرام کا خیال رکھا۔ وہ خود ایک چٹان پر اس وقت تک کھڑا رہا جب تک کہ خواتین کا قافلہ حفاظت سے نہیں گزر گیا۔ ایک چشمہ کے قریب تنگ میدان میں کیمپ لگایا گیا۔ یہ چشمہ کہ جس سے میٹھا پانی ملا۔ فوج کے لئے کافی تھا۔

شاہی خیمہ علی مسجد پر لگایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے قریب ہی ایک چٹان ہے کہ جس پر حضرت علیؓ کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔ یہاں جو مسجد ہے وہ خستہ حالت میں ہے۔ اس کی دیواریں گر رہی ہیں۔ اس کا صحن انتہائی تنگ ہے اور اس پر کوئی چھت بھی نہیں ہے۔

آگے جانے کے بعد درہ اور زیادہ تنگ ہو گیا ہے۔ یہاں دو چٹانیں آمنے سامنے سے آکر مل گئی ہیں۔ اس جگہ پر سو مسلح فوجی ہزاروں کی فوج کو روک سکتے ہیں۔ یہاں سے کوئی ہاتھی معہ سامان کے مشکل سے گزر سکتا ہے۔ اور آگے چل کر ڈھلوان ہے اور یہ جگہ اس قدر پھسلنی ہے کہ کوئی جانور یہاں قدم نہیں جما سکتا ہے۔ اس لئے گھڑسواروں اور سامان والوں کو دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ نیچے ایک میدان تھا کہ جہاں کیمپ لگایا جا سکتا تھا۔ یہاں پر پانی کا ایک چشمہ چٹانوں سے نیچے گر رہا تھا۔ اس جگہ کو خیبر کہتے ہیں۔ اسی میدان میں ایک یا مینار تھا۔ یہ سائز' قدامت اور کاریگری میں ایسا ہی تھا کہ جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سرحد کی نشانی کے طور پر تھا یہ درہ تقریباً سولہ میل کے فاصلہ کا ہو گا۔

مغرب کی جانب میدان میں ایک بڑی چٹان ہے کہ جس سے شہر کے کھنڈرات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مقامی لوگ اسے "لندی خانہ" کہتے ہیں اس کے قدیم باشندوں کے بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں اسی طرح کی جیسے کہ امیزون کے بارے میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر عورتوں کے قبضہ میں تھا جو کہ ہمسایہ قبائل سے جنگیں لڑتی رہتی تھیں۔ اگر لڑکے پیدا ہوتے تھے تو انہیں فوراً مار ڈالا جاتا تھا۔ لڑکیوں کی پرورش کی جاتی تھی اور انہیں بطور فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ انہیں بالاخر شکست دے کر وہاں سے نکال دیا گیا۔ لیکن ان کھنڈرات میں وہ اپنا نام چھوڑ گئی ہیں۔ یہ کہانی ایک طرف لیکن حقیقت میں یہاں بدمعاش اور شیطانی عورتیں ضرور ہی ہوں گی کہ جس کی وجہ سے یہ جگہ عورتوں کا گھر کہلاتی ہے' اس طرح جیسے کہ بھگوڑے غلام کسی جگہ پر قبضہ کر کے وہاں رہائش اختیار کر لیتے تھے۔

"لندی خانہ" کے کھنڈرات کے قریب ہی ایک اور شہر ہے جس کا نام "شہرغلام" ہے اس کو بھاگے ہوئے غلاموں نے اپنی پناہ گاہ کے طور پر بنایا تھا ان لوگوں کا گزارا لوٹ مار اور ڈاکہ زنی پر ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں یہاں سے بڑی مشکلوں کے بعد نکالا گیا ہے کیونکہ یہ پورا علاقہ پہاڑی ہے اس کے قریب ہی جنگل ہے جہاں یہ غلام کہ جب ان کا تعاقب کیا جاتا تھا تو چھپ جایا کرتے تھے۔ ان جنگلوں سے وہ قریبی آبادیوں پر حملے کرتے تھے اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔ مال و دولت لوٹنے کے بعد وہ اپنی مضبوط پناہ

گاہ میں چلے جاتے تھے۔ گرمیوں میں پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے چار بڑے گہرے تالاب کھود لیئے تھے کہ جس میں قریبی پہاڑوں سے بارش کا پانی آکر جمع ہو جاتا تھا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد شہزادے نے اپنا کیمپ "بے دولت" پہاڑی کے قریب میں لگایا۔ یہ پہاڑی صرف ایک چٹان پر ہے کہ جس میں کوئی شگاف یاد دراڑ نہیں ہے۔ اس پہاڑی پر نہ تو کوئی درخت ہے نہ گھاس اور نہ ہی کائی اس وجہ سے جب ہمایوں اس راستہ سے گزرا اور اس نے اس پہاڑی کا معائنہ کیا تو اس نے اسے "بے دولت" کہا۔ اس کے مرغزار میں کئی غار ہیں۔ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں پر سنیاسی یا سادھو رہا کرتے تھے۔ یہ جگہ واقعی بڑی اندھیرے والی اور ناہموار ہے اور تارک الدنیا لوگوں کے لئے مناسب ہے۔ میں اس پر قطعی یقین کرنے پر تیار نہیں کہ ہندو سنیاسی جو کہ محض دکھاوے کے طور پر اپنی پرہیزگاری سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں وہ سختی کی اس زندگی کو برداشت کرسکیں یہی وجہ ہے کہ اب یہ غار خالی پڑے ہیں۔ جبکہ اس زمانہ میں بھی بہت سے فضول لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے ترک دنیا کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ دراصل ان غاروں کو عیسائی راہبوں نے بسا رکھا تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ ولی بار تھیلیو اس علاقہ میں رہبانیت کو اختیار کرتے تھے اور چشموں اور دریاؤں کے قریب رہتے تھے۔ جب اس علاقہ سے عیسائیوں کو نکالا گیا تو اس وقت ان عیسائی راہبوں نے ان غاروں کو چھوڑ دیا جب سے یہ ویران اور غیر آباد پڑے ہیں اور اب ان کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہوگئی ہیں۔

اس جگہ سے تین میل کے فاصلہ پر "بے ہوئش پلنگ" نامی قلعہ ہے۔ مرزا حکیم نے یہاں سے اپنی فوج کو واپس بلا لیا ہے۔ جلال الدین کے ڈر سے اس جگہ کی آبادی بھی یہاں سے چلی گئی ہے۔

جلال آباد

دو دن بعد ہم جلال آباد پہنچے۔ شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر کیمپ لگایا گیا۔ یہاں

شہزادہ اپنے باپ کے احکامات کا انتظار کرنے لگا۔ پادری بھی اس کے ساتھ کیمپ میں رک گیا کیونکہ بادشاہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک شخص جو جنگ کا عادی نہیں اور جس کی دلچسپی مذہبی اور ادبی مباحث سے ہے اور جو جسمانی طور پر بھی کمزور ہے وہ اس کے اور فوج کے ساتھ تکالیف کو برداشت کرے کیونکہ فوج کی تیز رفتاری اور قیام کی کمی سے اس کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس نے شہزادے کو ہدایات دیں کہ وہ پادری کے ساتھ اس طرح مہربانی سے پیش آئے کہ جس طرح سے وہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ چونکہ شہزادہ کو اپنے باپ سے بہت زیادہ لگاؤ ہے اور وہ اس کے احکامات کی پوری پوری تعمیل کرتا ہے۔ اس لئے اس نے پادری کے ساتھ حد سے زیادہ مہربانی کا سلوک کیا۔

جب شہزادہ جلال آباد میں تھا تو پابندی سے ہر روز لوگوں کے سامنے آتا تھا۔ اس موقع پر وہ مسلح ہوتا تھا اور اس کا حفاظتی دستہ اسے اپنے گھیرے میں لیے ہوتا تھا۔ اس پوزیشن میں وہ روزانہ لوگوں کے درمیان آتا اور ان کی شکایات سنتا تھا۔ اس کے ہمراہ اس کا نگران بھگوان داس بھی ہوا کرتا تھا۔ یہ ساری کارروائی وہ اپنے باپ کی تقلید میں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب فوج میں یہ افواہ پھیل گئی کہ کچھ سازشی شہزادے کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو اس نے بڑی خوبی سے اس پر قابو پا لیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تھی انہیں فوج کے افسروں کے ذریعہ سزا دلوائی۔

وہ علاقہ کہ جو خیبر اور جلال آباد کے درمیان ہے تمام کا تمام پہاڑی ہے۔ ان پہاڑوں پر پورے سال برف جمی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جولائی کے مہینہ میں بھی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ گرم سے گرم موسم میں بھی جلال آباد سرد رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ اس شہر کے لوگوں کو ہر چیز ملتی رہے اور یہ کسی چیز سے محروم نہ رہیں۔ خدا نے اس برفیلے علاقہ میں ایسے میدان بھی پیدا کر دیئے ہیں کہ جہاں سورج کی گرمی رہتی ہے۔ یہاں پر وافر مقدار میں پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جلال آباد شہر کے اردگرد بڑی تعداد میں باغات ہیں کہ جہاں پر ناشپاتی' انگور' انار' آڑو' انجیر اور شہتوت پیدا ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ پٹھان ہیں جن کو کنٹرول کرنے کے لئے یہاں مغلوں کی ایک فوج رہتی ہے۔ یہ پٹھان کہ جن کو مغل افغان کہتے ہیں ان کا پیشہ زراعت ہے۔ ان کے پاس بوجھ اٹھانے والے جانوروں کی سخت کمی ہے۔ اس لئے یہ لوگ خود ہی سامان اٹھاتے ہیں اور پیٹھ پر لاد کر

جہاں ضرورت پڑے لے جاتے ہیں۔ کشتیاں نہ ہونے کی وجہ سے دریا میں یہ سامان مشکوں پر باندھ کے لے جاتے ہیں۔ یہ جو لباس پہنتے ہیں وہ ان کے ٹخنوں تک آتا ہے۔ یہ موسیقی کے بڑے شوقین ہیں اور بربط پر گانا گاتے ہیں۔

جلال آباد کے قلعہ کا دفاع انسانوں سے زیادہ قدرت نے کر رکھا ہے کیونکہ یہ ہر طرف سے اونچی چٹانوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ اس پر اب تک فریدوں خاں کا قبضہ تھا۔ مگر جلال الدین کے آنے سے پہلے ہی اس نے قلعہ خالی کر دیا۔

کابل کا شہر اونچائی پر آباد ہے۔ سردیوں میں یہاں اس قدر سردی ہو جاتی ہے کہ بادشاہ وہاں سے جلال آباد آ جاتا ہے' اس کے ہمراہ پورا دربار اور امراء ہوتے ہیں۔ لیکن گرمیوں میں موسم سرد اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ گرمیوں کا وسط جو کہ انتہائی خراب موسم ہے۔ وہ سورج کی تمازت کو محسوس کئے بغیر گزر جاتا ہے۔ اس موسم میں بادشاہ جلال آباد سے کابل چلا جاتا ہے۔ کابل کا شہر دو باتوں کی وجہ سے قابل ذکر ہے۔ اول تو یہ کہ یہ اس علاقہ کا مرکزی شہر ہے۔ دوسرے اس کی تجارتی اہمیت ہے کیونکہ یہاں پر ہندوستان' ایران اور تاتار ملکوں کے تاجر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی جگہ پر واقع ہے کہ جہاں سے ہندوستان' بلخ و بخارا اس کی پہنچ میں ہیں۔

اکبر کا کابل میں داخلہ

جس وقت شہزادہ جلال آباد میں تھا اس وقت اس قسم کی افواہیں گردش کرنے لگیں کہ مرزا حکیم کی وفات ہوگئی ہے۔ لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اپنے بھائی کی آمد کا سن کر جب مرزا حکیم فرار ہوا تو اس افراتفری میں اس کا چھوٹا لڑکا گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ ہوا یہ کہ جب شہزادہ گھوڑے سے گرا تو پیچھے سے آنے والے گھڑ سوار جو کہ گھبراہٹ اور تیز رفتاری سے آ رہے تھے شہزادہ ان کے گھوڑوں کے سموں تلے آ کر کچلا گیا۔ اس کے بعد نہ تو شہزادے کی لاش کا پتہ چلا اور نہ ہی اسے تلاش کیا گیا۔ مرزا حکیم نے ایک اونچے پہاڑ پر جا کر پناہ لی تاکہ وہاں وہ حملہ آور فوج کی مزاحمت کر سکے۔ اس کی جانب جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔

جب اکبر نے اپنے بھائی کے فرار کی خبر سنی تو اس نے اہل کابل کے لئے فوراً یہ

اعلان کر دیا کہ انہیں اپنی سلامتی اور تحفظ کے لئے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی لڑائی تاجروں' دست کاروں اور عام لوگوں سے نہیں بلکہ اپنے بھائی اور اس کی فوج سے ہے جو اب فرار ہو چکی ہے۔ اس کو خبر ملی کہ شہر میں امن ہے وہ فاتحانہ انداز سے شہر میں میں داخل ہوا اور محل میں رہائش اختیار کی وہ خدا کی اس مہربانی پر بڑا خوش تھا کہ قدرت نے اسے یہ موقع دیا کہ وہ اجداد کے تخت پر کہ جس پر اس کے باپ و دادا بیٹھے تھے' اس پر جلوہ افروز ہو۔ اس کی خوشی اس وجہ سے بھی تھی کہ اس فتح میں اس کا کوئی جانی و مالی نقصان نہیں ہوا۔ صرف یہ نقصان ضرور ہوا کہ جب اس نے پہاڑی کی فوج کے لئے 1500 اشرفیاں بھیجی تھیں تو انہیں مرزا حکیم کے آدمیوں نے اچانک حملہ کر کے لوٹ لیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ خزانچی کو بھی پکڑ لیا گیا تھا اور اسے اذیت دی گئی تھی۔ اگرچہ بعد میں اسے تاوان لے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ بادشاہ نے اسے بے احتیاطی اور بزدلی پر کافی برا بھلا کہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اس کے پاس اچھی خاصی فوج تھی۔ مگر اس نے مقابلہ کرنے کی بجائے جان بچا کر بھاگنا چاہا' اس میں وہ پکڑا بھی گیا اور اشرفیاں بھی ہاتھ سے گئیں۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ فریدوں خاں نے اچانک حملہ کر کے جمال خاں' جو کہ بادشاہ کا برادر نسبتی تھا' کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا جب کہ اس کے پاس سو فوجی تھے۔ شرم کی وجہ سے جمال خاں نے فقیرانہ لباس پہن لیا اور دنیاوی آسائشوں کو ترک کر دیا۔ اس کو پتہ تھا کہ اس کی شکست کی وجہ اس کی اپنی غلطی ہے' اور یہ کہ بادشاہ فوج کی تنظیم کے معاملہ میں بڑا سخت ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کے لئے اس نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ یہ سن کر بادشاہ نے اسے اپنے پاس طلب کیا' اور اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ وہ اس کا برادر نسبتی ہے اس کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ نصیحت کی کہ اسے آئندہ ایسی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔

کابل میں بادشاہ کا قیام 7 دن تک رہا۔ اس عرصہ میں اس نے مغلوں کے روایتی انداز میں وہاں کے باشندوں پر اپنی فتح کو ظاہر کیا۔ اس کی سوتیلی اور مرزا حکیم کی حقیقی بہن اس کے پاس آئی اور معافی مانگتے ہوئے درخواست کی کہ مرزا حکیم کے قصور کو درگزر کرتے ہوئے اس کی سلطنت دوبارہ اس کو دیدی جائے۔ اس کی درخواست کا اثر یہ ہوا کہ بادشاہ نے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے' اور اس کی وفاداری' نیکی اور پارسائی کو

مد نظر رکھتے ہوئے سلطنت کا نگراں اس کو بنا دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ مرزا حکیم سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھنا چاہتا۔ بلکہ یہ کہ وہ اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتا ہے لہذا جب ضرورت ہو گی وہ اس سے سلطنت کا انتظام لے کر کسی اور کو دیدے گا۔ اس کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کہ مرزا حکیم کابل میں رہے یا کہیں اور جہاں تک اس کا تعلق ہے وہ جلد ہی کابل سے چلا جائے گا۔ چونکہ وہ اپنی بہن سے محبت کرتا ہے اور اس پر اعتماد کرتا ہے۔ اس لئے وہ یہاں پر کوئی فوج چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مرزا حکیم سے کہہ دو کہ وہ آئندہ کسی قسم کی سازش میں مبتلا نہ ہو۔ وہ اب خاصہ بوڑھا ہو گیا ہے' اور اسے زندگی کا تجربہ بھی ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ اس کے فائدے میں کیا ہے؟ اگر وہ خاموش رہا' تو وہ اس کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرے گا۔ لیکن اگر اس نے اپنے احمقانہ منصوبوں کو جاری رکھا تو پھر وہ اس کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرے گا کہ جواب کر رہا ہے اور نہ آئندہ کسی قسم کی معافی دے گا۔ اس نے بہن سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ چاہے تو اس پہاڑی راستہ کو بند کرا سکتا ہے جہاں اس نے پناہ لی ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ فاقہ سے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دے گا۔ مگر وہ ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اس کے پاس معافی کی درخواست لے کر آئی ہے۔

ہندوستان کو واپسی

اپنی بہن سے یہ سب کچھ کہنے کے بعد بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ جس کے تحت اس کو سلطنت کا نگراں مقرر کیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے تیز رفتاری کے ساتھ جلال آباد جانے کا پروگرام بنایا اور فوج کو حکم دیا کہ وہ اس کے بعد روانہ ہو۔ رخصت کے وقت پادری اور پوری فوج اس سے ملنے اور مبارکباد دینے کی غرض سے گئی۔ اس نے پادری کی مبارکباد کو بڑے خوشگوار انداز میں قبول کیا۔ شاید اس وجہ سے کہ پادری اس کی فتوحات کی شہرت کو اسپین تک پھیلانے میں مدد کرے گا۔ پروگرام کے مطابق جب پوری فوج جلال آباد میں جمع ہو جائے گی تو پھر یہاں سے فتح پور کی جانب مارچ کیا جائے گا۔

درباریوں کے درمیان اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ پوری مہم اور فتح بغیر

کسی خوں ریزی کے مکمل ہو گئی بادشاہ نے پادری سے سوال کیا کہ وہ اس افریقی جنگ کی تفصیلات بتائے کہ جس میں چار بادشاہ تھوڑے عرصہ میں مارے گئے۔ وہ کیا وجوہات تھی کہ سیباس ٹین (پرتگال کا بادشاہ) نے مسلمانوں پر اعتماد کیا؟ جب پادری نے اس کی تفصیلات بتائیں۔ تو بادشاہ نے تعریفی انداز میں کہا کہ: "میں ان لوگوں کی دل سے تعریف کرتا ہوں کہ جو بہادری کے ساتھ اپنے مخالفوں کا آمنے سامنے مقابلہ کرتے ہیں۔ لیکن میں ایسے لوگوں سے نفرت کرتا ہوں کہ جو اپنی زندگی بچانے کے لئے میدان جنگ کی موت سے بھاگتے ہیں۔ اس بہادر نوجوان پر آفریں ہے کہ جس نے جنگ کی محبت میں دریا و سمندر عبور کئے اور ایک اجنبی ملک پر حملہ آور ہوا۔"

اکبر بھی سیاس ٹین کی طرح جس نے پہاڑوں کی سی جرات' اور نڈر پن کا ثبوت دیا تھا' وہ بھی اپنے کارناموں کو اس نظر سے دیکھتا تھا۔

بادشاہ نے پادری کو اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ فوج سے دو دن پہلے سفر پر روانہ ہو جائے تاکہ خیبرپاس کی مشکلات سے زیادہ دو چار نہ ہو۔ لیکن ہوا یہ کہ پادری کو اس طرح سفر میں زیادہ خطرات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک بار تو پہاڑ سے اترتا ہوا پھسلا تو پتھروں سے جا ٹکرایا اور موت کے منہ سے بال بال بچا۔ اس موقع پر کچھ مسلمان اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کیا وہ پیغمبر محمد پر ایمان رکھتا ہے۔ پادری نے جواب دیا "نہیں"۔

"کیوں نہیں؟" مسلمانوں نے پوچھا۔

"کیونکہ میں انہیں پیغمبر نہیں مانتا؟" پادری نے جواب دیا۔

اس کے بعد انہوں نے اور سوالات کئے۔ جن کے جوابات سے مجمع اس قدر مشتعل ہوا کہ وہ پادری کو مار ڈالنا چاہتے تھے مگر پھر بادشاہ کے ڈر سے اس ارادے سے باز رہے۔

جب بادشاہ علی مسجد پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ اس کی فوج کے ساتھ جو فقیروں کا ہجوم تھا ان سب کو ایک ایک اشرفی دی جائے (یہ سب لوگ فضول اور نکمے تھے) ان لوگوں نے درحقیقت فوج کے نظم و ضبط کو بگاڑ رکھا تھا۔ تعداد میں یہ تقریباً 300 ہوں گے۔ یہاں اکبر نے مسجد میں مسلمانوں کے انداز میں نماز ادا کی۔

جب بادشاہ کابل کی جانب جا رہا تھا تو وہ خاص طور سے شاہی احاطہ میں ایک سفید رنگ کا خیمہ نصب کراتا تھا کہ جس میں وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ لیکن واپسی کے سفر میں

اس نے اس سفید خیمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خیبر درہ سے گزر کر جب بادشاہ میدان میں آیا تو اس نے حکم دیا کہ ان چند دیہات کو جلا دیا جائے کہ جنھوں نے اس کی فوج کے لئے رسد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے غلہ اور دوسری اشیاء نہ تو نقد رقم کے عوض دیں اور نہ ہی فوج کی درخواست پر۔ اس گاؤں کے بدقسمت لوگ اس وقت فرار ہو گئے کہ جب انہوں نے بادشاہ کی واپسی کے بارے میں سنا۔ انہوں نے بڑی لاچاری کے ساتھ پہاڑوں کی بلندی سے اپنے گھروں کو جلتا ہوا دیکھا۔ یہ سب کچھ انہوں نے اس لئے برداشت کیا کیونکہ وہ مرزا حکیم کے وفادار رہے تھے۔ بقول کسی شاعر کہ "لوگوں کو اپنے حکمرانوں کے گناہوں کی سزا ملتی ہے" نیلاب کے قریب دریا عبور کرنے کے لئے ایک بار پھر پل بنایا گیا اس وقت فوج نے یہاں پر قیام کیا۔ ستمبر میں اس علاقہ کی آب و ہوا میں خنکی آگئی تھی۔ اس موسم میں برف کا پگھلنا بند ہو جاتا ہے۔ اس لئے دریا میں پانی کم ہو گیا تھا' یہی وجہ تھی کہ اس کے عبور کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

جب پل تیار ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے وعدے کے مطابق کہ جو اس نے اپنی بہن سے کیا تھا' اپنی پوری فوج کو دریا پار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ تین دن تک کشمیر کی جانب چلا۔ وہ اس صوبہ پر وعدہ کی خلاف ورزی کی سزا میں قابض ہونا چاہتا تھا' کیونکہ اس کے حکمران نے جلال الدین سے بہت سے فوائد حاصل کئے تھے۔ لیکن ان کے بدلہ میں اس نے کسی شکر گزاری کا اظہار نہیں کیا تھا' خصوصیت سے اس وقت کہ جب جلال الدین اس کے علاقہ سے گزرا تھا۔ یہ اس کا فرض تھا کہ یا تو خود آتا یا کوئی سفارت بھیجتا' اور بادشاہ کی خوشنودی کے لئے اس کے لئے تحفہ تحائف' رسد یا فوج کا انتظام کرتا تاکہ اس سے وفاداری اور اطاعت گزاری ظاہر ہوتی اور بادشاہ بھی اس کے اس رویہ سے خوش ہوتا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ یہ مہربانی کی تھی کہ جب اسے اس کے چچا نے سلطنت سے نکال دیا تھا تو اس نے مدد کرکے دوبارہ سے اسے تخت پر بٹھایا تھا لیکن بادشاہ کے وزراء اور مصاحبین نے اس کو اس مہم سے باز رکھا' انہوں نے یہ دلیل دی کہ پوری فوج آٹھ مہینے کی مسلسل محنت و مشقت کے بعد تھک چکی ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اب اسے آرام کا موقع دیا جائے تاکہ یہ تازہ دم ہو سکے۔ اس کے

علاوہ اس مہم میں ہاتھیوں کو ساتھ لے جانا انتہائی مشکل ہو گا کیونکہ پہاڑ اونچے اور ڈھلوان ہیں۔ اور کابل سے بھی زیادہ ناقبل عبور ہیں۔ بلکہ اکثر جگہ تو سواری پر چلا ہی نہیں جا سکے گا اور راستہ پیدل چل کر طے کرنا ہو گا۔ پھر سردی کا موسم آ رہا ہے جس کی وجہ سے درے اور راستہ برف باری کی وجہ سے اٹ جائیں گے۔ اس مشورہ کو سن کر بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اپنا رخ فتح پور کی طرف کر دیا۔ لیکن اس کے دل میں انتقام لینے کا جو جذبہ تھا وہ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے لئے وہ کسی اور موقع کا انتظار کرے گا تاکہ وہ سزا بھی دے' اور اس ملک پر قبضہ کر کے اپنی وسیع سلطنت میں اضافہ بھی کرے۔

روڈولف کی بیماری

جب بادشاہ روھتاس پہنچا تو اس نے پادری کو بتایا کہ اسے اطلاع ملی ہے کہ روڈولف بیمار ہے۔ اس پر اس نے نام کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ کسی حواری کا ہے؟ اس نے پادری سے کہا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے نام گنائے اور یہ کہ ان کی کتنی تعداد تھی؟۔ جواب دینے کے بعد پادری نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ حواری کا مطلب وہی ہے کہ جو "رسول" کا ہے۔ مسلمان ایک کو مانتے ہیں جب کہ عیسائی بارہ کو مانتے ہیں۔ ان رسولوں نے ہی یہ تعلیم دی ہے کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ پادری نے درخواست کی کہ اسے روڈولف کے پاس جانے کی اجازت دی جائے کیونکہ اس نے اسکے سامنے اعتراف کرنے کی درخواست کی ہے۔ اس پر بادشاہ نے اعتراف کے بارے میں سوالات کئے اور پوچھا کہ: "آخر تم پادری لوگ کون سے گناہ سرزد کرتے ہو؟" مغلوں میں کالا رنگ ماتمی اور موت کی علامت ہے۔ اس سوال کے جواب میں پادری نے کہا "میرا یقین ہے کہ روڈولف کے گناہ بہت کم ہیں' کیونکہ وہ اپنی سادہ زندگی اور کردار میں دوسروں کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے۔ لیکن ہم عیسائی حضرت عیسیٰ اور چرچ کی ہدایت کو مطابق اس کے پابند ہیں کہ ایک خاص وقت پر ہم اپنے خیالات و اعمال کو ظاہر کریں۔ اس لیے اگر مجھے جانے کی اجازت دی جائے تو یہ مجھ پر اور روڈولف پر احسان ہو گا۔ کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھنا اور سننا چاہتے

ہیں۔"

اس موقع پر بادشاہ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا" دیکھو یہ دونوں ایک دوسرے سے کس قدر محبت کرتے ہیں" اس کے بعد اس نے شیخ فرید سے کہا کہ وہ دیکھے کہ پادری کو روزانہ کے اخراجات کے لئے کس قدر روپیہ چاہئے اور یہ بھی کہ کیا اس نے قرضہ لیا ہے؟ یہ بھی دیکھے کہ روڈولف کا بیماری کے دوران کیا خرچہ ہوا ہے؟۔ شیخ فرید نے جب اپنی رپورٹ بادشاہ کو دی تو اس نے اس سے دگنی رقم پادری کو دی کہ جو اس نے مانگی تھی۔ بادشاہ سے اجازت لینے کے بعد پادری نے تیز رفتاری سے اپنا واپسی کا سفر شروع کیا۔ جب پادری بادشاہ سے رخصت ہونے گیا تو اس کے پاس وہ چند امراء آئے ہوئے تھے کہ جنھوں نے مرزا حکیم سے علیحدگی کے بعد بادشاہ سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔ یہ لوگ پادری کو اور اس کے حلیہ کو دیکھ کر بے انتہا حیران ہوئے اور بادشاہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بادشاہ نے ان لوگوں سے کہا کہ: "یہ شخص فرنگیوں میں ولی سمجھا جاتا ہے"۔

جب بادشاہ لاہور پہنچا تو روڈلف جو کہ بیماری سے صحت یاب ہوگیا تھا' کیمپ میں آیا اور اس کو مبارک باد دی۔ بادشاہ نے بھی اس کا استقبال خوشی و مسرت کے ساتھ کیا۔ مبارک باد وصول کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ایک پادری کے ہمراہ شاہی سفارت ملک اسپین بھیجنا چاہتا ہے۔ جب روڈلف نے اسے بتایا کہ مغلوں نے دمن کے علاقہ پر حملہ کر دیا ہے تو بادشاہ نے اس پر گہرے افسوس کا اظہار کیا۔

لاہور

اب میں کچھ لاہور کا ذکر کر دوں۔ یہ شہر اپنی آبادی' سائز اور خوش حالی میں ایشیا' یورپ میں یگانہ ہے۔ اس شہر میں ایشیا بھر سے آئے ہوئے تاجروں کا جمگھٹا رہتا ہے۔ یہ شہر ہر چیز میں دوسرے شہروں سے بڑھا ہوا ہے اور دنیا بھر کی اشیاء یہاں دستیاب ہیں۔ کوئی صنعت دست کاری نہیں کہ جو یہاں موجود نہ ہو آبادی اس قدر ہے کہ سڑکوں اور گلیوں میں کھوے سے کھوا چلتا ہے۔ قلعہ جو کہ اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے۔ یہ

رقبہ میں تین میل کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ قلعہ ہی میں ایک بازار ہے کہ جس کے اوپر گرمی' سردی اور بارش سے بچاؤ کے لئے لکڑی کی چھت ہے۔ یہ اتنا عمدہ نمونہ ہے کہ ہمارے یہاں بھی اس کو اپنانا چاہیے۔ اس بازار میں خوشبوئیں فروخت ہوتی ہیں۔ اس لئے خوشبوؤں سے یہ ہر وقت مہکتا رہتا ہے۔ قلعہ کے باہر شہر کافی پھیلا ہوا ہے۔ اس کی عمارتیں اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں۔ اس کے دولت مند شہریوں میں برہمن اور دوسری ہندو ذاتیں ہیں۔ خاص طور سے کشمیری۔ کشمیریوں کی تجارت یہ ہے کہ ان کے تندور ہیں کہ جہاں یہ روٹی فروخت کرتے ہیں۔ ہوٹلوں اور سرایوں کے مالک ہیں اور کاٹھ کباڑ جمع کرکے اسے بیچتے ہیں' یہ اس قسم کی تجارت ہے کہ جو ہمارے ہاں یہودی کرتے ہیں' اس سے ان کا یہودیوں سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ شہر کے اردگرد کا علاقہ انتہائی زرخیز ہے۔

جب مرزا حکیم نے حملہ کیا تو وہ اس شہر کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کے مشرقی جانب ایک باغ میں اس نے اپنا کیمپ لگایا تھا۔ اس نے قلعہ کے کمانڈر مان سنگھ سے کہا تھا کہ وہ قلعہ اس کے حوالے کر دے۔ لیکن اس نے جواب دیا تھا کہ "میں تمہارے بھائی سے غداری نہیں کروں گا کہ جس نے یہ قلعہ میری نگرانی میں دیا ہے۔ اگر تم اپنی قسمت آزمانا چاہتے ہو تو آؤ اور قلعہ پر حملہ کرو۔ میں تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر تمہیں اپنی فوجی برتری پر ناز ہے' تو مجھے اپنے آدمیوں کی بہادری پر اعتماد ہے کہ جو ہزار مرتبہ زندہ رہنے کے مقابلہ میں مرنا پسند کریں گے۔ اگر تم حملہ کرکے قلعہ پر قبضہ کرلو گے تو میں اپنی زندگی قربان کر دوں گا۔ میری ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ کہ میں بادشاہ کے ساتھ وفادار رہوں۔"

مرزا حکیم نے اس امید میں کہ قلعہ پر اس کا قبضہ ہو جائے گا اس نے شہر کے لوگوں سے اپنے تعلقات بہتر بنائے رکھے۔ اس نے فوجیوں کو سختی سے منع کیا کہ نہ تو چوری کی جائے اور نہ لوٹ مار۔ چونکہ شہر کے گرد کوئی فصیل نہیں تھی اس لئے پورا شہر کھلا ہوا تھا۔ اسی لئے اس نے تاجروں اور شہریوں کو یقین دلایا کہ انہیں اپنی حفاظت کے بارے میں بالکل نہیں ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی جنگ ان سے نہیں بلکہ قلعہ کے کمانڈر سے ہے۔ لیکن جب اس نے اپنے بھائی کی آمد کی خبر سنی تو اسے محاصرہ

اٹھاتے ہی بنی۔

اکبر کی فتح پور واپسی

لاہور پہنچنے کے بعد بادشاہ نے اپنی فوج کو فارغ کر دیا اور خود تیزرفتاری کے ساتھ معہ اپنے حفاظتی دستہ کے فتح پور کے لئے روانہ ہوا۔ یہاں پر اس کی ماں نے مسرت و خوشی کے ساتھ اس کا والہانہ خیرمقدم کیا اور جیسا کہ یہاں روایت ہے اس کے آنے پر لوگوں نے خوشیاں منائیں اور کھیلوں میں حصہ لیا۔

اکبر کی فتوحات

ہر وہ شخص کہ جو اکبر کی فتوحات کے بارے میں جانتا ہے اس پر حیران و متعجب ہو جاتا ہے کیونکہ تیمور لنگ سے لے کر اب تک اس کے آباؤ اجداد میں کوئی ایسا نہیں کہ جس نے اس قدر فتوحات کی ہوں اور جس کی سلطنت اس قدر وسیع و عریض ہو۔ دہلی کی سلطنت اسے اپنے باپ سے ورثہ میں ملی۔ اس کے بعد اس نے ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو فتح کیا جن میں مادہ، گجرات، چھوٹا ناگپور، کابل، کشمیر، سندھ اور جموں شامل ہیں۔ اس وقت اس کی توجہ دکن کی سلطنتوں کی طرف ہے جو کہ پرتگیزیوں کے ہمسایہ میں ہیں۔ پٹھانوں کا بادشاہ داؤد اس سے لڑتے ہوئے ایک جنگ میں ہلاک ہوا۔ ایک اور راجہ چتوڑ کی جنگ میں اس کی بندوق کے فائر سے مارا گیا۔ گجرات کی فتح کے بعد اس کے حکمران مظفر شاہ نے بھاگ کر جان بچائی۔ قندھار کے گورنر مظفر حسن شاہ نے قلعہ بادشاہ کے حوالہ کر دیا۔ مرزا حکیم بادشاہ کا بھائی فرار ہو کر پہاڑیوں میں روپوش ہوا۔ کشمیر کا حکمران قید ہوا۔ اس طرح بادشاہ نے تقریباً چالیس حکمرانوں اور سرداروں کو شکست دے کر یا تو انہیں ختم کر دیا یا قیدی بنا لیا۔ دوسرے چھوٹے چھوٹے راجہ اور حکمران جو اس سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس کی اطاعت کر کے اسے خراج دینے کے معاہدے کر لئے ہیں۔ ازکی طرف اس کی سلطنت گنگا سے لے کر کابل تک اور دوسری طرف گجرات سے لے کر مشرق میں آسام تک ہے۔ لیکن اس

کی ان تمام فتوحات کے باوجود وہ مشکل سے دریائے گنگا و جمنا کے آگے جانا پسند کرتا ہے۔ ہندوستان ایک وسیع و عریض اور ایشیا کے عظیم ملکوں میں سے ہے۔ اگر خدا نے وقت دیا تو میں اس پر تفصیل سے لکھوں گا۔

اسپین کے لئے سفارت

فتح پور آنے کے بعد بادشاہ نے ایک بار پھر اسپین کے بادشاہ فلپ کے دربار میں سفارت بھیجنے پر گفتگو کی اور اس سلسلہ میں روڈلف سے مشورہ کیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اس سفارت میں اس پادری کو ہمراہ کرے کہ جو اس کے ساتھ کابل گیا تھا۔ وہ سفیروں میں دو کا انتخاب کرے' ان میں سے ایک اسپین جائے اور دوسرا گوا میں قیام کرے۔ ان میں سے ایک کے لئے اس شخص کے نام کی سفارش کی جو پادری کے ساتھ کابل سے فتح پور تک آیا تھا۔ یہ مسلک کے لحاظ سے شیعہ اور ایرانی تھا۔ مگر گمراہی کے باوجود دل کا اچھا تھا۔

پرتگیزیوں سے اختلافات

جب کہ سفارت کے انتظامات کئے جا رہے تھے اس وقت پادریوں کو یہ خبر ملی کہ مغلوں نے دمن پر پرتگیزیوں کے خلاف حملہ کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کی پھوپھی (گلبدن) نے حج کے لئے جاتے وقت کچھ گاؤں پرتگیزیوں کو دیئے تھے تاکہ پرتگیزی جہاز سمندر میں اس کی حفاظت کی ضمانت دیں۔ لیکن جب وہ واپس آ گئی اور اسے کسی حفاظت کی ضرورت نہیں رہی تو اس نے گجرات کی حکومت سے کہا کہ وہ گاؤں کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ گورنر نے ایک فوج بھیجی تاکہ وہ اس جگہ پر قبضہ کرلے لیکن انہیں یہ پرتگیزیوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ اس واقعہ کے نتیجہ میں بادشاہ اور دوسرے مغل جو کہ سخت مغرور اور رعونت والے لوگ ہیں۔ کیونکہ انہیں ابتداء ہی سے فوجی تربیت دی جاتی ہے' (اس لئے وہ گستاخ اور بدتمیز ہو جاتے ہیں) انہوں نے اپنی بے عزتی سمجھا۔ کہ جب بھی انہیں بحری سفر پر جانا ہوتا ہے تو وہ اس بات پر

مجبور ہوتے ہیں کہ پرتگیزیوں سے حفاظتی پروانہ لیں۔ جو کہ انہیں چند شرائط پوری کرنے کے عوض ملتا ہے۔ اگر وہ پروانہ نہیں لیں' اور ان کا جہاز پرتگیزیوں کے قبہ میں آجائے تو وہ اسے مال غنیمت سمجھتے ہیں۔ لیکن حفاظتی پروانہ کو توہین سمجھتے ہوئے سورت کے گورنر نے جہازوں کو بغیر پروانہ بھیجنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے مغلوں کو سخت نقصان ہوا۔ اور ان کے پرتگیزیوں سے تعلقات خراب ہوتے چلے گئے۔ گاؤں کے جھگڑے کے ساتھ ساتھ کہ جو گلبدن نے انہیں دیئے تھے مغلوں کے ایک جہاز پر پرتگیزیوں کے قبضہ نے بھی سنگین صورت حال اختیار کرلی۔ مزید مغل اس بات پر بھی ناراض تھے کہ بادشاہ عیسائیوں کے ساتھ کیوں مہربانی کا سلوک کر رہا ہے۔

مغلوں نے پہلے پہلے تو دوستی کے پردے میں مخبروں کو دمن بھیجا پھر اس وقت جبکہ ایک پرتگیزی جہاز دریائے تاپتی پر اس جگہ پر لنگر انداز تھا کہ جہاں یہ دریا سورت کے قریب سمندر میں گرتا ہے تو انہوں نے اچانک اس جہاز پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایک دھوکہ کے ساتھ ہوا' رات کو چند نوجوان فوجی اس جگہ آئے اور بہانہ یہ کیا کہ وہ پرندوں کو پکڑنے اور ساحل پر تفریح کی غرض سے آئے ہیں۔ جب انہوں نے حملہ کیا تو جہاز کے ملاح بھاگ کھڑے ہوئے اور ان میں سے کچھ نے بڑی مشکلوں بعد جہاز پر پہنچ کر جان بچائی۔ لیکن ان میں سے نو پکڑے گئے جنہیں ظالمانہ طریقہ سے گھسیٹتے ہوئے سورت لایا گیا اور بے رحمانہ سلوک کے بعد دوسرے دن قتل کر دیا گیا۔ اول انہیں مسلمان ہونے کے لئے کہا گیا' اور وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے مذہب بدل لیا تو انہیں عزت و دولت کے ساتھ ساتھ خوبصورت عورتیں نکاح میں دی جائیں گی۔ لیکن ملاحوں نے ثابت قدمی دکھائی اور ان تمام باتوں کو رد کر دیا اور اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے موت کو قبول کرلیا۔ ان میں سب سے زیادہ بہادری ان کے لیڈر ایڈوارڈ پیرارا نے دکھائی۔ جب اس کے ساتھیوں نے کہا کہ وہ اپنے لیڈر کی بات مانیں گے اور جو وہ کہے گا اس پر عمل کریں گے تو وہ اس کو گھسیٹتے ہوئے لائے اور تبدیلی مذہب پر آمادہ کیا۔ مگر جب اس نے اور اس کے ساتھیوں نے صاف انکار کر دیا تو ان سب کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ اگرچہ ان ملاحوں کی زندگی تو مختصر رہی۔ مگر اس کے ساتھ جو شان انہیں ملی وہ لافانی ہے۔ مجھے سوائے ان کے لیڈر کے اور کسی کا نام معلوم نہیں

ہوسکا۔ ان لوگوں کے سروں کو بادشاہ کے معائنہ کے لئے فتح پور لایا گیا۔ اس موقع پر پادریوں نے یہ ظاہر کیا کہ جیسے انہیں اس واقعہ کی کچھ خبر نہیں ہے۔ بادشاہ نے بھی یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی اس سے بے خبر ہے۔ لیکن جب یہ واقعہ مشہور ہوگیا اور سورت کے گورنر نے خود پادریوں کو اس سے آگاہ کیا' تو بادشاہ زیادہ عرصہ اس کو چھپا نہیں سکا۔ مگر جب پادریوں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے مقتولوں کے سر دیکھے ہیں تو اس سے اس نے انکار کیا اور پرتگیزیوں کے ساتھ اس لڑائی پر افسوس کیا جو سورت اور دمن میں ہوئی تھی۔

بھڑوچ کے گورنر قطب الدین کا دمن پر حملہ

یہ جنگ یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ قطب الدین جو کہ بھڑوچ کا گورنر تھا اس نے اپنے پندرہ ہزار سواروں اور اپنے لڑکے نارنگ خاں جو کہ چمپانیر کا گورنر تھا اس کی فوج کی مدد سے جنگ کی تیاریاں کیں۔ یہ تمام فوج سورت میں جمع ہوئی اور یہاں سے قطب الدین دمن کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں قلعہ پر حملہ کرے۔ راستہ میں اس نے پورے علاقہ میں تباہی مچادی جس کی وجہ سے کسان و مچھیرے بھاگ کھڑے ہوئے اور گھاٹیوں میں پناہ لی کہ جہاں وہ مغلوں سے محفوظ رہیں۔ وہاں بھی سمندر کی تیز موجوں میں بہت سی عورتیں و بچے اور مرد بہہ گئے۔ بعد میں قطب الدین کو اس کے جرائم کی سزا ملی اور اسے مظفر' گجرت کے بادشاہ کے ہاتھوں شرمناک شکست ہوئی' اسے ایک کپڑے کے کارخانہ میں چھپا ہوا پایا گیا اور فوراً ہی پھانسی کی سزا دے دی گئی مظفر نے مغلوں کے ساتھ اس لئے جنگ لڑی تھی کیونکہ وہ اپنے باپ کی سلطنت گجرات کو حاصل کرنا چاہتا تھا کہ جو اس کی شکست کے بعد اکبر کے قبضہ میں تھی۔

جب قطب الدین نے دمن پر حملہ کیا تو وہاں پر موجود پرتگیزی افسروں اور ان کی فوج نے اس کا بہادری سے مقابلہ کیا اور اس کو پسپا کر دیا۔ کیونکہ پرتگیزیوں کو جیسے ہی مغل حملہ کی اطلاع ملی' انہوں نے قریبی شہروں سے فوج اکٹھی کرلی اور مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے۔

جب اس جنگ کی اطلاعات پادریوں کو ملیں تو انہوں نے فوراً بادشاہ تک ان

معلومات کو پہنچایا اور کہا کہ وہ پرتگیزیوں پر اس حملہ سے بڑے افسردہ ہوئے ہیں۔ اس پر اس نے قسم کھا کر کہا کہ یہ جنگ اس سے پوچھے بغیر ہوئی ہے۔ اس نے مزید کہا کہ قطب الدین اور شہاب خاں دونوں تجربہ کار لوگ ہیں' اور اپنے اس تجربہ اور بڑھاپے کے باعث اکثر وہ خود فیصلہ کرلیتے ہیں اور ایسی مہمات شروع کر دیتے ہیں کہ جن کے بارے میں اسے علم نہیں ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ انہیں کوئی تنبیہہ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ مہمات انہوں نے اس کی سلطنت اور خود اس کے مفاد میں شروع کی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں عوام کے جذبات اور بہبود کا بھی خیال رکھا ہے کیونکہ ان میں یہ مشہور ہے کہ عیسائی مسلمانوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے اس جواب سے پادریوں کے سامنے صحیح صورت حال آ گئی۔ کیونکہ یہ دونوں امراء بادشاہ سے اس لئے بھی ناراض تھے کہ اس نے عیسائیوں سے اپنے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ مغل عہدے دار اس وقت صرف اپنے مفادات کے بارے میں سوچتے ہیں بے شک ملک کے حالات ابتر ہوں اور سیاسی بے چینی ہو۔ بہرحال پادریوں کی درخواست پر بادشاہ نے ان دونوں منصب داروں کو دمن سے اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اس کی وجہ سے پادریوں کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ نے جان بوجھ کر ان جرائم سے غفلت برتی اور یہ کہ وہ خود اس جنگ کی خفیہ طور پر ہمت افزائی کر رہا تھا۔ آگے چل کر واقعات نے اس کو سچ ثابت کر دیا۔ کیونکہ جلال الدین نے اسلحہ کی بڑی مقدار روئی کی گانٹھوں میں چھپا کر دیو بھجوائی تھی اور یہ کہ مغلوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ دوستی کے پردے میں دیو کے شہر میں جائیں اور پرتگیزیوں سے رسد مانگیں اور پھر جیسے ہی موقع ملے قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ ان احکامات پر احتیاط کے ساتھ عمل کیا گیا۔ دیو کے گورنر نے مغلوں کو شہر میں آنے اور اناج خریدنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس نے پرتگیزی فوجیوں کو چھپا کر شہر میں رکھ لیا تھا اور ہدایت دی تھی کہ اگر مغل گڑبڑ کریں تو انہیں قتل سے گریز نہ کریں۔ پرتگیز گورنر نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ یہ ظاہر نہ کرے کہ مغل اس کے خلاف کسی سازش میں ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ پرتگیزی وائسرائے کی مرضی کے بغیر اکبر بادشاہ جیسے طاقتور حکمران سے جنگ کرے کہ جس کے پاس بے پناہ وسائل

ہیں۔ ان انتظامات کی وجہ سے مغل اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہوسکے اور دوسرے دن شہر سے چلے گئے۔ جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا' بادشاہ پادریوں سے بار بار پوچھ رہا تھا کہ دیو کا گورنر کون ہے؟ اس وقت انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ یہ سوالات کیوں کر رہا ہے؟

پادریوں کی واپسی

اسی دوران میں پادریوں کو گوا سے یہ ہدایت آئی کہ وہ واپس آ جائیں۔ لیکن ساتھ ہی میں ان کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ اپنے مذہب کی خاطر جو چاہیں وہ فیصلہ کریں ان کے پاس اس کے ٹھوس ثبوت تھے کہ جلال الدین کے ہمارے بادشاہ اسپین کے ساتھ دوستی و تعلقات رکھنے کے تمام جذبات منافقت کے تھے اور اس میں کوئی خلوص نہیں تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود انہوں نے بڑی عاجزی اور انکساری سے رخصت ہونے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید یہ اس وجہ سے ناراض ہیں کہ مغلوں نے پرتگیزیوں پر حملہ کیا ہے۔ اس لئے اس نے ایک بار پھر پرزور طریقہ سے کہا کہ اس کے بارے وہ قطعی لاعلم تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے' کیونکہ ایک مسلمان کی قسموں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ بہرحال انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے ایک سفارت کار ان کے ساتھ جائے اور گوا میں اپنے سربراہ کو تمام حالات سے کہ جو یہاں ہوئے ہیں آگاہ کرے۔ جبکہ دوسرے پادری یہیں پر ٹھہرے رہیں۔ وہ اس وقت تک بادشاہ سے جدا ہونے کے لئے تیار نہیں تھے کہ جب تک اس میں تبدیلی مذہب کی ذرا برابر بھی امید تھی۔ اگرچہ اس بارے میں ہماری تمام امیدیں فضول اور بیکار معلوم ہوتی تھیں' لیکن پھر بھی ایسے اشارے موجود تھے کہ جن سے ہماری ہمت بندھتی تھی ان کے بارے میں میں آپ کو کچھ بتانا چاہوں گا۔

اکبر کے ساتھ بحث

جنگ سے واپسی کے بعد جب اکبر فتح پور آیا تو ایسا محسوس ہوا کہ اس میں ہمارے

مذہب اور اس کی سچائی کو جاننے کی خواہش شدید ہو گئی ہے۔ کیونکہ واپسی کے دن اس نے فادر روڈلف سے کہا کہ "خدا ہی جانتا ہے کہ میرا دل کس قدر عیسائیت کی طرف مائل ہے اور کس قدر خلوص کے ساتھ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ لیکن میں تمہارے تیثلیث کے عقیدے سے متفق نہیں ہو سکتا۔ روڈلف نے فوراً کہا کہ اے بادشاہ! ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تین خدا ہیں کیونکہ یہ عیسائیت کی تعلیم کے خلاف اور کافرانہ بات ہے۔ لیکن ہم ایک خدا کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک خدا میں تین شخصیتیں ہیں۔ باپ' بیٹا اور روح القدس۔

اپنے درباریوں کے سامنے اس کو دہراتے ہوئے اس نے روڈلف سے کہا کہ تم اپنے سربراہ کو لکھو اور کہو کہ وہ تلاش کرکے ایسے شخص کو بھیجیں کہ جسے فارسی اور پرتگیزی دونوں زبانیں آتی ہوں۔ ان میں ایک ایسا ہو کہ جو کبھی مسلمان رہ چکا ہو اور وہ دونوں مذہبوں کے بارے میں جانتا ہو۔

اس کے بعد ایک نجی محفل میں اس نے روڈلف سے کہا کہ اس کی خواہش ہے کہ وہ ترکی کے بادشاہ کے خلاف اسپین کے بادشاہ سے معاہدہ کرے اور اس مقصد کے لئے وہ روپیہ پیسہ سے مدد بھی دینے کو تیار ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر روڈلف خود دربار میں رہنا چاہے تو وہ اس کے ایک ساتھی کو پوپ کے پاس بھیجنے کا خواہش مند ہے تاکہ وہ اس تک اس کا مبارک باد کا پیغام پہنچائے۔اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ نہیں چاہتا کہ میں اور روڈلف دونوں دربار سے جائیں۔ اس وقت وہ بے انتہا خوش ہوا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ہم میں سے ایک وہاں رک رہا ہے۔ اس کی خوشی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے درباریوں کے سامنے پادریوں کی اس قدر تعریف کی کہ شرم سے ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ روڈلف کہ جس کو ٹھہرنا تھا اس سے مخاطب ہو کر اس نے کہا میرا خیال ہے کہ تمہارا یہاں ٹھہرنا خدا کی مرضی ہے۔ اگرچہ تمہارے ملک کے باشندوں میں ایسے بہت ہوں گے کہ جو تمہاری جگہ لے سکیں۔ لیکن اگر تم یہاں سے چلے گئے تو یہاں تمہاری جگہ لینے والا کوئی نہیں ہے۔

جبکہ ہم تینوں سفارت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو اس نے پوپ کی شان و شوکت کے بارے میں یہ پوچھا کہ پوپ کے معنی کیا ہیں؟ (اس موقع پر بڑی افسردگی

اور رنج کے ساتھ میں نے سوچا کہ یہ مسلمان بادشاہ دو غیر ملکیوں سے پوپ کی عظمت کا سن کر اس کے بارے میں سوالات کر رہا ہے اور اس کو اس دنیا میں خدا کا نمائندہ سمجھتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ کچھ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور خود کو عیسائی کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بائبل کی تعلیمات کو واپس لا رہے ہیں) اس موقعہ پر بادشاہ نے کہا۔ "تم پوپ سے کہنا حضرت عیسیٰؑ کی جگہ اس دنیا میں لینے والے کی حیثیت سے میں کس قدر تمہاری عزت و احترام کرتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تمام بادشاہ تمہارے قدموں پر سر رکھتے ہیں۔ تم اس سے کہنا کہ میں نے تمہیں بھیجا ہے کہ میری جگہ تم اس کے قدموں کو بوسہ دو۔ اس سے کہنا کہ وہ مجھے ایسی ہدایات لکھ کر بھیجے کہ جن پر عمل کرکے میں خدا تک پہنچ سکوں (کیونکہ سچائی کو جاننے کی میری بڑی خواہش ہے) اور یہ کہ میں خدا کے خوف اور اس کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی سلطنت کا بہترین انتظام کرسکوں۔ تاکہ جب یہ زمین آسمان دونوں ختم ہو جائیں تو یوم حساب پر میں اس کے سامنے اپنی زندگی کے اعمال کا سرخرو ہو کر جواب دے سکوں۔"
وہ اس رو میں بولتا گیا۔ اور ایسے کلمات کہے کہ جو ایک عیسائی بادشاہ کو ادا کرنے چاہئیں۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور ایک ایسے خدا کا ماننے والا ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے (یہ اس کے اپنے الفاظ ہیں) وہ بیوی، بچوں، دولت اور سلطنت کو سچائی کی تلاش میں قربان کرنے کو تیار ہے (خود کو بادشاہ نے طالب خدا کہا) اس نے کہا کہ وہ عیسائیت کو قبول کرنے پر تیار ہے اگر وہ اس کی تعلیمات سے متاثر ہو جائے اور اس کا عقیدہ اس کے دل پر اثر کرے۔ چاہے یہ پوپ کی طرف سے ہو یا سوسائٹی کے راہنما کی طرف سے یا دو پادریوں کی طرف سے کہ جو اس کے دربار میں ہیں یا کسی اور کی طرف سے۔ جہاں تک اس کے لڑکوں کا تعلق ہے تو اس کی جانب سے انہیں آزادی ہے کہ وہ جو مذہب چاہیں اختیار کریں۔ ان میں سے ایک نے تو عیسائیت اختیار کر بھی لی۔

بادشاہ نے جس خلوص اور لگاؤ سے پادریوں کا خیال رکھا تھا یہ ایک ثبوت تھا کہ اسے عیسائیت سے کس قدر تعلق ہے۔ اس نے انہیں مکمل آزادی دے رکھی تھی کہ وہ اسے تادیب و تنبیہہ کریں۔ وہ ان کی فلاح و بہبود کا اسی طرح خیال رکھتا تھا کہ

جیسے وہ اس کی اولاد میں سے ہوں۔ جب وہ بیمار پڑے تو اس نے ان کی تیمارداری پر پوری توجہ دی۔ اور ان کی صحت کے بارے میں فکرمند رہا۔ ان کے علاج پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا اور جب پادری لاہور جا رہا تھا تو بھگوان داس کو حکم دیا کہ وہ اس کی تمام ضروریات کو پورا کرے۔ جب ایک مرتبہ ایک پادری بیمار ہوا اور پیچھے رہ گیا کہ جہاں مقامی مسلمانوں نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا تو بادشاہ نے فوراً دہلی کے ایک برہمن جارو داس کو حکم دیا کہ وہ اپنے ملازمین کے ہمراہ اسے بحفاظت پہنچائے اور راستہ میں جتنے اخراجات ہوں وہ شاہی خزانہ سے ادا کئے جائیں۔

پادریوں نے اس کا تجزیہ کیا کہ وُہ بادشاہ کے اس رویہ کی وجہ سے بے انتہا متاثر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ان باتوں سے دھوکہ نہ کھائیں اور معاملات کو حقیقی صورت حال میں دیکھیں۔ اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں بادشاہ کے بارے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس پر بھروسہ کرنا چاہیے اور باقی نتائج کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ روڈلف کو چونکہ ٹھہرنا تھا اس لئے اس نے شہزادے کی تعلیم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ جبکہ دوسرے پادریوں نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

نو روز (مارچ 1582)

مارچ میں بادشاہ نے اپنی فتح کی خوشی میں ایک جشن منعقد کیا۔ یہ جشن نو روز تھا۔ مغل اپنے نئے سال کی ابتداء مارچ سے کرتے ہیں۔ (یہودیوں کی طرح) کیونکہ یہ بہار کا مہینہ ہوتا ہے کہ جب درخت ہر قسم کے پھولوں سے ڈھک جاتے ہیں اور ان کی بھینی بھینی خوشبو ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ اس وقت میدانوں اور پہاڑوں میں چاروں جانب خوبصورتی چھائی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس جشن کے موقع پر لوگ چھٹی مناتے ہیں۔ باغوں اور کھیتوں میں جاتے ہیں، دعوتیں کرتے ہیں اور نئے اور خوبصورت لباس زیب تن کرتے ہیں۔

اس موقع پر (1582) جلال الدین نے اس تہوار کو بڑے زور و شور اور شان و شوکت کے ساتھ منایا۔ اس کی تیاریوں میں روپیہ پیسہ کا فیاضی کے ساتھ خرچ، قیمتی

زیورات، ملبوسات، کھیل، تماشے سب اس قدر شاندار تھیں کہ لوگوں کے مطابق اس قسم کا جشن انھوں نے تیس سال کے عرصہ میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ محل کی دیواریں اور ستون سونے و چاندی کے تاروں سے مرصع پردوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ روزانہ کھیل تماشہ اور دوسری تفریحات کا انعقاد ہوتا تھا۔ بادشاہ ایک اونچے تخت پر جلوہ افروز ہوا کہ جس کے اوپر جانے کے لئے کئی سیڑھیاں تھیں۔ وہ شاندار تاج پہنے ہوئے تھا اور دوسری شاہی علامات اس کے سامنے تھیں۔ اس نے ان منصب داروں کو انعامات دیئے کہ جو اس کے ساتھ کابل کی مہم پر گئے تھے۔ اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آزادی سے اپنی خوشی کا اظہار کریں۔ چاہے یہ گیتوں کی شکل میں ہو یا رقص کی شکل میں۔ جو بھی اس جشن میں شرکت کے لئے آئے تھے سب کا بادشاہ کی جانب سے خیرمقدم ہوا۔ جوگیوں کے گروہ کے گروہ اپنے لیڈروں کے ساتھ شرکت کے لئے آئے۔ یہ لوگ دکھاوے کے لئے تو مذہبی بنتے ہیں، حقیقت میں ہوتے نہیں۔ کیونکہ انھوں نے جلد ہی اپنی نیکی و پارسائی کو ایک طرف رکھ دیا اور بڑی بے شرمی کے ساتھ رقص و موسیقی میں خود کو مست کر لیا اور خوشامدانہ انداز میں اپنے گیتوں میں بادشاہ کی تعریفیں شروع کر دیں۔

عورتوں کو اجازت دی گئی کہ وہ محل اور اس کی شان و شوکت کو دیکھ سکیں اس وقت تک مسلمانوں میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ بادشاہ نے عیسائیت اختیار کر لی ہے اور وہ کنواری مریم کی پوجا کرتا ہے۔ ایک امیر نے خانساماں سے کہ جو شاہی فرنیچر اور ساز و سامان کا انچارج ہوتا ہے راز درانہ طور پر پوچھا کہ کنواری مریم کی تصویر کیوں جھروکہ درشن کے دیوار پر لگی ہوئی ہے؟ دراصل خانساماں نے اس تصویر کو وہاں اس غرض سے لگایا تھا کہ اس کو دیکھ کر بادشاہ خوش ہوگا اور ہوا بھی یہی کہ بادشاہ نے جب تصویر کو خوبصورت پردوں کے درمیان آویزاں دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اس کو دیکھ کر پادریوں کو بھی بے انتہا مسرت ہوئی وہ لوگ جو غیر عیسائی ہیں وہ مجبور ہوئے کہ اس تصویر کو دیکھیں اور عقیدت کا اظہار کریں۔

ایک اور بحث

بادشاہ اور علماء کے درمیان اور یا کی بیوی ہاتھ شیبا کے بارے میں ایک بحث چھڑ گئی۔ اس پر بادشاہ نے پادریوں کو بھی بلوایا اور ان سے پوچھا کہ اس کی پوری تفصیل کیا ہے۔ یہ سوال اس بات کی علامت تھا کہ اس موضوع پر خوب بحث ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بحث میں آدھی رات گزر گئی۔ اس موقع پر پادریوں نے جو کچھ کہا بادشاہ نے اس کو درست قرار دیا۔ بحث سے پہلے بادشاہ نے پادریوں کے کان میں آہستہ سے کہا تھا' ان علماء کی خاطر خدا کے لئے ایسی بات مت کہنا کہ جو توہین عذاب ہو' اس وجہ سے پادریوں نے بحث میں اس کا خیال رکھا۔

دراصل بادشاہ کے ذہن میں ہمیشہ یہ سوال رہتا ہے کہ وہ کون سی قوم ہے کہ جس کا مذہب سچا ہے؟ اور اس سوال کے جواب میں وہ ہر ایک سے تفتیش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی ایک رات کو وہ تمام امراء مسلمانوں' ہندوؤں اور عیسائیوں کے مذہبی علماء کو محل میں بلاتا ہے۔ یہاں امراء اپنے اپنے منصب کے اعتبار سے بیٹھتے ہیں۔ تمام مذاہب کے علماء اس کے سامنے اپنی اپنی مقرر شدہ نشستوں پر براجمان ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مختلف مذہبی مسائل پر سوالات کرتا ہے۔ ایک مرتبہ بحث کے خاتمہ پر بادشاہ نے کہا میرا خیال ہے کہ ہر مذہب' عقیدے میں مختلف قسم کے رسوم و رواج ہیں۔ اسلام' عیسائیت ہندو مت' اور زرتشت مذاہب کی تعلیمات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب اور اپنی مذہبی روایات و اداروں کو دوسروں سے اچھا مانتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرلیں۔ اگر وہ انکار کر دیتے ہیں تو پھر یہ لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے میرے دل میں شک و شبہات پیدا ہوئے ہیں۔ اب میری خواہش ہے کہ ایک مقررہ دن پر تمام مقدس کتابوں کو لایا جائے اور تمام لوگ مل کر بیٹھیں اور بحث کریں تاکہ میں ان کے دلائل کو سنوں اور یہ فیصلہ کرسکوں کہ کون سا مذہب سب سے سچا اور طاقتور ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پادریوں کی طرف مڑا اور ان سے پوچھا کہ کون سا دن سب سے زیادہ

بابرکت اور اچھا ہے اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ویسے تو کوئی دن اپنی جگہ نہ تو منحوس ہوتا ہے اور نہ برا۔ لیکن کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں کہ ہم کچھ کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور کچھ کو برا۔ ہر دن خدا کے حکم سے منور اور روشن ہوتا ہے' اس لئے ہم کسی بھی دن کو منحوس نہیں لکھ سکتے۔ لیکن ایک جگہ بائبل میں یہ ضرور آیا ہے کہ بھائیو ! احتیاط سے چلو' بیوقوفوں کی طرح نہیں' بلکہ عقل مندوں کی طرح' زمانہ سے چھٹکارہ پاؤ کیونکہ یہ دن منحوس ہیں۔ اس زمانہ کے لوگ خراب تھے یا یہ بات ایک ایسے وقت پر پوری اترتی ہے کہ جب دجال کی آمد آمد ہو اور جو عیسائیت کو ماننے والے ہیں ان کے لئے یہ وقت تباہی کا باعث ہو۔

ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو شخص عزائم میں مبتلا ہو' اس کی پیدائش کسی منحوس دن ہوئی ہوگی۔ دنوں کو اچھا یا برا اسی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ان دنوں میں کسی قسم کے اور کیسے واقعات ہوئے ہیں۔ لیکن اگر کسی دن کا انتخاب اس لئے کرنا ہے کہ اس دن خدا کی تعریف و توصیف ہو کہ جس سے روح کو تسکین ملے۔ تو اس مقصد کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ کسی دن کو اچھا یا برا سمجھا جائے۔ کیونکہ فطرتاً" کوئی دن سعد یا منحوس نہیں ہے ان خیالات کو جن لوگوں نے بھی سنا۔ وہ اس سے بے انتہا متاثر ہوئے۔ کیونکہ ان لوگوں میں یہ توہمات ہیں کہ کسی بھی کام کے لئے نجومیوں کے مشورے سے اچھے دن اور ساعت کے بارے میں معلوم کیا جائے۔ لیکن جب روڈلف نے یہ باتیں کہیں تو کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ اس کی مخالفت کرتا۔اس کے بعد بادشاہ نے مجلس برخاست کر دی اور خود آرام کی غرض سے اندر چلا گیا۔

دوسرے دن اس نے ایک بار پھر مختلف مذاہب کے علماء اور پادریوں کو بلایا۔ جب وہ سب آ گئے تو اس نے پادریوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"میری خواہش ہے کہ میں نے کل جو تجویز رکھی تھی' اس کے مطابق اب بحث و مباحثہ شروع کیا جائے۔ میری تم سے درخواست ہے کہ تم جو بات کرنا چاہو وہ بے خوفی سے کہو۔ کیونکہ خدا نے مجھے یہ طاقت دی ہے کہ میں وہ اقدامات لے سکوں کہ جن کی تم نے خواہش ظاہر کی ہے اور جن کے لئے تم بار بار اصرار کر رہے ہو۔ خدا جانتا ہے کہ میں اپنے ارادوں میں پر خلوص ہوں۔" جس وقت اس نے یہ الفاظ کہے

اس کے دونوں بڑے لڑکے اور اہم امراء اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ پادریوں نے جواب دیا کہ وہ یقیناً" اس کی خواہشات پر پورے اتریں گے۔ اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے بائبل کی تفسیر پر ایک بھرپور لیکچر دینا شروع کر دیا۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکا۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے علماء آہستہ آہستہ مقررہ دن پر آنا بند ہوگئے۔ اور صرف عیسائی پادری رہ گئے کہ جنہوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ جو کچھ ایسے موقعوں پر کہنا چاہتے تھے وہ لکھ کر لاتے تھے تاکہ ہر مقررہ دن وہ قاعدے کے ساتھ اپنی بات کہہ سکیں۔ ایسے موقعوں پر بادشاہ اکثر ان سے سوالات کرتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب تک وہ اس منصوبہ میں دلچسپی رکھتا ہے جس میں تمام مذاہب کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی تھیں۔

لیکن اسی دوران پادریوں کو یہ شبہ ہوگیا کہ بادشاہ خود اپنا نیا مذہب رائج کرنا چاہتا ہے اور اس کی تشکیل کے لئے وہ ہر مذہب سے کچھ نہ کچھ لینا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے مایوس ہو کر انہوں نے بھی ان نشستوں میں جانا چھوڑ دیا۔ اس موقعہ پر بادشاہ ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ توجہ دے رہا تھا اور انہی کے کہنے پر اس نے بازار میں گائے کے گوشت کی فروخت ممنوع قرار دے دی تھی۔ اس لئے پادریوں نے یہ مناسب خیال نہیں کیا کہ اسے عیسائیت کے قیمتی موتی دیئے جائیں کہ جنہیں وہ اپنے قدموں تلے روند دے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک لکڑی کی عمارت بنوائی کہ جس کو محل کی چھت پر رکھا گیا۔ اس عمارت سے روز وہ صبح کے وقت سورج کے نکلنے پر اس کی پوجا کرتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود پادری دعاگو رہے کہ اچھی باتوں کا ظہور ہو' اس امید میں انہوں نے سفارت کے ساتھ جانے سے انکار بھی کیا۔

سفارت کی روانگی

آخر کار' کافی لیت و لعل کے بعد' ایک پادری سفارت کے ساتھ آگرہ سے گوا کے لئے روانہ ہوا اور تمام خطرات سے گزر کر خدا کے حکم سے اس نے بحفاظت سفر کیا اور منزل مقصود پر پہنچا۔ بادشاہ نے سید مظفر کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کیا کہ وہ اس سفر پر جائے۔ وہ اس سفر کو اتنا طویل اور خطرناک سمجھتا تھا کہ اس کے نزدیک ایک لحاظ

سے یہ جلا وطنی کے برابر تھا۔ اس کو یہ بھی خبر ملی تھی کہ بادشاہ نے ایک سربہ مہر خط پادری کو دیا ہے کہ جسے سورت میں کھولا جانا ہے۔ اس کو ڈر ہوا کہ شاید اس میں اس کے قتل کا حکم ہو' کیونکہ اس پر شاہ منصور کی سازش میں ملوث ہونے کا الزام پہلے ہی سے تھا۔ اس لئے سید مظفر بار بار پادری سے کہتا کہ وہ خط کو کھول کر اسے پڑھوائے۔ مگر پادری نے روڈ ولف کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے سید مظفر نے ایک بار نہیں بلکہ کئی بار خفیہ طور پر اپنے ساتھیوں کو اکسایا کہ وہ اس پادری کو قتل کر دیں۔ جو کہ کوئی زیادہ مشکل بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کے نتیجہ میں سفارت کا رک جانا یقینی تھا کیونکہ بادشاہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ یہ سفارت ان دو پادریوں کے کہنے پر بھیج رہا ہے' اس لئے وہ ان ہی کو اپنی مصیبت کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر انہیں قتل کر دیا جائے تو سفارت آگے نہیں جائے گی اور ان سب کو اپنے اپنے وطن میں واپسی نصیب ہو جائے گی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ سفارت کے دوسرے اراکین پادریوں سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اس جرم کو کرنے یا اس میں ملوث ہونے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی معصوم شخص کی بلا کسی وجہ کے جان لے۔ خاص طور پر جب کہ وہ اس پر بھروسہ بھی کرتا ہو۔ اس نے سید مظفر سے کہا کہ چونکہ سربہ مہر خط' سورت میں کھلے گا۔ اس لئے اس کے متن کو پڑھنے کے بعد وہ فیصلہ کرے کہ کیا اس کے لئے سفر کرنا اور آگے جانا خطرناک ہے۔

سید مظفر یہ سن کر مطمئن ہو گیا اور اپنے ارادے سے باز آیا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے دوست قطب الدین کہ جو بھڑوچ کا گورنر ہے کے پاس جائے اور اس سے مشورہ کرے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ بہر صورت پادری نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ تیز رفتاری سے دمن جائے اور وہاں سفارت کے لئے جہاز تیار کرائے۔ اس سفر کے لئے سید مظفر نے اپنے دستہ سے آٹھ آدمیوں کو اس کی حفاظت کے لئے دیا۔ یہ اس کے ساتھ منڈو تک گئے۔ منڈو سے بغیر حفاظتی دستہ کے سفر کی وجہ سے پادری ایک زبردست خطرے میں پڑ جاتا کیونکہ اس راستہ میں ڈاکو اور لٹیرے بھرے پڑے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے صرف اتنا ہی کہہ دنا کافی ہے کہ یہ شخص عیسائی اور فرنگی

ہے۔ کیونکہ وہ ان سے سخت نفرت کرتے ہیں اور عیسائی کو قتل کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے ہیں۔ لیکن بادشاہ کے حکم سے منڈو کے گورنر نے اس کے لئے حفاظتی دستہ کا انتظام کیا اور اس حفاظتی دستہ نے اسے نربدا دریا تک چھوڑا۔ اور کچھ مغل فوجی اس کے ساتھ رہے تاکہ اسے انگرتو تک چھوڑ کر آئیں۔

دریا کے دوسری طرف جانے کے بعد ان مغل فوجیوں نے سازش کی کہ پادری کو قتل کر دیا جائے اور اس کے پاس جو کچھ بھی روپیہ پیسہ ہے اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اسے شاہراہ سے دور لے جایا جائے۔ مغل افسر نے یہ بہانہ کیاکہ اسے دو یا تین گاؤں میں کچھ کام ہے' اور وہ چاہتا ہے کہ پادری بھی اس کے ہمراہ چلے۔ اگرچہ اسے اس کے منحوس ارادوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے دل میں خدا نے یہ خیال ڈال دیا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنے ساتھیوں سے جدا نہ ہو' خاص طور سے ایک نوجوان عیسائی سے کہ جو اس کے ساتھ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ نہ تو وہ مغل افسر اور نہ ہی اس کے ڈاکو ساتھی کہ جو ایک جگہ چھپتے ہوئے حملہ کے لئے تیار تھے وہ پادری اور اس کے ساتھیوں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس طرح وہ بحفاظت انگر تو پہنچ گئے کہ جہاں گورنر کے متبنیٰ بیٹے نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نوجوان عیسائی نے پادری کو بتایا کہ جب وہ راستہ میں ایک سرائے میں تھے وہاں جب یہ پتہ چلا کہ پادری کو بادشاہ نے عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بلایا ہے۔ تو وہاں ایک فوجی نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر اسے موقع ملا تو وہ نہ صرف پادری بلکہ بادشاہ کو بھی قتل کر دے گا۔

آگے چل کر ایک گھاٹی میں ان کا ڈاکوؤں سے سامنا ہوا۔ اس موقع پر پادری نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ سب مل کر ایک دوسرے کے قریب قریب ہو کر چلیں۔ ڈاکو جنگل میں جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اور ان کی جھلک جھاڑیوں سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ان کا طریقہ واردات یہ ہوتا تھا کہ وہ مسافروں پر جھاڑیوں سے نکل کر پیچھے سے حملہ کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہم سب ادوسرے سے ملے ہوئے چل رہے ہیں تو انہوں نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

یہ جماعت سورت کے علاقہ میں اس وقت پہنچی ہے کہ جب مغلوں اور پرتگیزیوں

کے درمیان تلخی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ پرتگیزی مغلوں کے رویہ سے غصہ میں آئے ہوئے تھے اور انہوں نے دریائے تپتی کے دھانہ کو بند کر دیا تھا تاکہ ان سے پروانہ لئے بغیر کوئی جہاز حاجیوں کو لے کر نہ جا سکے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے بھی پادری کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے بار کے گورنر نے گرفتار کر لیا اور تین سپاہیوں کی نگرانی میں اسے سورت بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو بجائے اس کے کہ اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا جاتا اسے نظر بند کر دیا گیا۔ (یہ نظربندی سہولت والی تھی) کہ جہاں اس کی نگرانی کے لئے کئی سپاہی اور لوگ تھے۔ شہر کے گورنر نے اس پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ سورت آنے سے کترا رہا تھا۔ سورت کے گورنر نے یہ اعتراض بھی کیا کہ اس نے اب تک اسے بادشاہ کا کوئی فرمان نہیں بتایا ہے کہ جس میں پادری کے بارے میں معلومات ہوں۔ اس پر پادری نے کہا: "یہ تمام اسناد موجود ہیں۔ ان کے بارے میں میرے ساتھی بھی تصدیق کریں گے۔ دیکھو اس خط پر بادشاہ کی مہر ہے"۔ کیا تم اس کو نہیں پہچانتے ہو؟ میں تمہیں یہ دیتا ہوں، تم اس کو لے جاؤ اور اس کا احتیاط سے مطالعہ کرو، تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں سچائی ہے:۔

اس پر ایک نے کہا "مگر تم سورت آنے سے کیوں گریز کر رہے تھے"

"لیکن بہرحال میں اب یہاں آگیا ہوں" پادری نے جواب دیا۔

اس پر گورنر نے کہا "خوش آمدید" اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

جانے کے بعد اس نے بطور دوستی کے پادری کو غلہ کی وافر مقدار بھیجی۔ خدا کا شکر ہوا کہ تین دن بعد وہ نوجوان عیسائی' دیتان' جو کہ سورت کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں سے آگیا اور ساتھ میں پادری کے لئے ایک گھوڑا بھی لایا۔ اس سے اور اس کے ملازمین سے بات چیت کے بعد گورنر اور پولیس کے سربراہ کو یقین ہو گیا کہ پادری نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ لہٰذا انہوں نے فوراً" فیصلہ کیا کہ اسے باعزت رہا کر دیا جائے کوشش کی جائے کہ اس قید کی وجہ سے اسے جو رنج پہنچا ہے اس میں کمی کی جائے اور ایسا نہ ہو کہ وہ اس معاملہ کی اطلاع بادشاہ کو دے دے کہ جس کا رویہ اس کی جانب بہت ہمدردانہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا کہ اگر وہ اس کی اطلاع بادشاہ کو کر دیتا ہے تو وہ کہہ دیں گے کہ انہوں نے اس کو بحفاظت ایک گھر میں رکھا تاکہ ایک

مناسب موقع پر وہ اس کا استقبال کریں اور اس کو وہ عزت دیں کہ جو ایک شاہی مہمان کی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس پر بھی بحث کی کہ پادری کو قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔

اس جرم کو روکنے والا یونانی ترک تھا۔ (یونانیوں کو یہ رومی کہتے ہیں) جو ان کے راستہ میں حائل ہو گیا اور کہا کہ بہتر یہ ہے کہ تم اس معصوم اجنبی کا استقبال کرو' اور اسے عزت دو نہ کہ سزا کیونکہ یہ تمہارے بادشاہ کے دربار سے آرہا ہے' وہ بھی محض اس لئے کہ یہ پرتگیزی ہے اور اس وقت جبکہ پرتگیزیوں نے دریا کے دھانہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔

اس پر گورنر نے پادری کو ایک دعوت میں بلایا۔ اس موقعہ پر قلعہ کو سجایا گیا تھا اور فوجی قطاروں میں باادب کھڑے تھے۔ گھڑ سواروں کا دستہ میدان میں تھا اور ہاتھیوں کا غول بھی وہاں موجود تھا۔ استقبال کے لئے گورنر خود قلعہ سے باہر آیا اور خیمہ میں اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے بعد میں اپنے ایک عہدیدار کو معہ فوجی دستہ کے بھیجا کہ پادری کو خیمہ میں اس کے سامنے حاضر کرے۔ پادری اس کے بھیجے ہوئے سپاہیوں کے ساتھ خیمہ تک آیا اور دور سے گورنر کو دیکھ کر گھوڑے سے اتر گیا اور گورنر اور حاضرین کو سلام کیا۔ جب وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا تو سلامی کے طور پر پہلے توپ داغی گئی۔ پھر چھوٹی توپوں کے ذریعہ سلامی دی گئی' اور آخر میں بندوقوں سے فائر کئے گئے۔ پھر پوری فوج نے تین مرتبہ "اللہ" کا نعرہ لگایا۔ اس کے بعد گورنر کھڑا ہو گیا اور پادری بھی اس کو دیکھ کر اٹھ گیا۔ یہاں سے معہ حفاظتی دستہ کے گورنر اور پادری محل گئے کہ جہاں ایک پرتکلف ضیافت کا انتظام کیا گیا تھا۔

پادری ان تمام انتظامات اور عزت و احترام کے پس منظر سے غافل تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رنجیدہ ہو گیا کیونکہ جب وہ شہر میں آیا تھا تو اس دن دو عیسائی نوجوانوں کو قتل کیا گیا تھا۔ ان دونوں کی کسی نے مخبری کی تھی' اس لئے گرفتاری کے بعد جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ جاسوس ہیں؟ تو انہوں نے فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں اور یا موت کو قبول کر لیں۔ انہوں نے صاف صاف کہا کہ وہ ہزار مرتبہ مرنا پسند کریں گے' مگر عیسائیت کہ جو خدا کا سچا مذہب ہے'

اسے نہیں چھوڑیں گے۔ اگرچہ وہاں کے بنیوں نے بطور تاوان ہزار اشرفیوں کی پیش کش کی۔ اور گن کر رکھ بھی دیں۔ مگر گورنر کے حکم سے انہیں فوری طور پر قتل کر دیا گیا۔ بنئے اگرچہ ہندو ہیں مگر یہ فیثا غورس کے ماننے والوں کی طرح ہیں۔ وہ کسی جاندار کا گوشت نہیں کھاتے اور ہر جاندار کو وہ تاوان دے کر چھڑاتے ہیں۔ چاہے وہ چڑیاں ہو مکھیں ہوں۔ یا چھوٹے کیڑے مکوڑے۔ یہ بدھ مت کے پیروکار ہیں اور ان کا مذہب برہمنوں سے جدا ہے۔ یہ خود کو "وانیا" کہتے ہیں جب کہ برہمن خود کو " بامن" کہتے ہیں۔

پرتگیزی جہاز پر

دعوت کے بعد پادری کو پرتگیز جہاز تک لے جایا گیا کہ جہاں پر پادری کا شاندار استقبال کیا گیا اور اس کی عزت و تکریم کی گئی۔ اگرچہ پادری کی یہ خواہش تھی کہ اس کا اظہار نہ ہو کیونکہ شاید اس سے مسلمانوں میں یہ تاثر ابھرے کہ پرتگیز کیوں اپنے اس پادری کا اس قدر احترام کر رہے ہیں۔ جہاز کے پرتگیزی کیپٹن فرنانڈ آف میرانڈا نے کہ جس سے پادری کی دوستی پرتگال سے تھی۔ اس نے پادری کو خوش آمدید کہتے ہوئے توپوں کی سلامتی دی۔ اس موقع پر جہاز کو بھی شاندار طریقہ سے سجایا گیا تھا اور اس پر رنگ برنگے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ پادری نے رات بھر ایڈمرل کے ساتھ مختلف موضوعات پر بات چیت کی اور صبح ہوتے ہوتے واپس سورت آگیا جس کی وجہ سے سورت کے لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے کہ "یہ وہ آدمی ہے کہ جو نہ دھوکہ باز ہے اور نہ فریبی۔ دیکھو یہ یہاں واپس گیا' اگرچہ وہ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ حفاظت سے جہاز پر رہ سکتا تھا۔"

اب جبکہ وہ دمن جانے کی تیاری کر رہا تھا تو گورنر اور کوتوال شہر دونوں نے اس کی دعوتیں کیں۔ بالاخر اس نے ان دونوں کو الوداع کہا اور دمن کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب کہ وہ دمن میں اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا تو اسے خبر ملی کہ پرتگیز ایڈمرل نے حاجیوں کے ایک جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ جہاز نے اس شرط پر خود کو پرتگیزیوں کے حوالہ کیا کہ سوائے ترکوں' بھگوڑوں اور عیسائی مرتدوں کے سب کو

حفاظت کے ساتھ جانے دیا جائے گا۔ لیکن ایڈمرل نے اس شرط کو پورا کرنے میں دیر لگائی جس کی وجہ سے بہت سے قیدی بھوک و پیاس سے مر گئے۔ کچھ مسافروں کو اغواء کر لیا گیا اور عیسائیوں نے انہیں بطور غلام فروخت کر دیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے پادری نے یہ ذمہ داری سمجھی کہ وہ ایڈمرل کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ ایڈمرل نے پادری کی بات کو غور سے سنا اور اس سے کہا کہ مسافروں میں وہ دیکھے کہ کون ترک ہیں اور کون عیسائی مرتد۔ اس کام کو دو دن کی محنت کے بعد پادری نے پورا کیا۔ غلاموں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ جا سکتے ہیں۔ جب کہ ترکوں اور عیسائی مرتدوں کو قید میں رکھا گیا۔

جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں' مظفر خاں کو اس سفارت میں اپنی مرضی کے خلاف زبردستی شامل کیا گیا تھا' اور وہ راستہ میں قطب الدین خاں سے مشورہ کے لئے چلا گیا تھا' لیکن اس نے اس کو کسی بھی قسم کا مشورہ دینے سے انکار کر دیا' اور اس سے کہا کہ جب تک وہ بادشاہ کے احکامات کی تعمیل نہیں کرے گا وہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مظفر خاں کی بادشاہ کے احکامات کے خلاف مدد کرے۔ مظفر خاں اس سے مایوس ہو کر اور اپنی ساری جائیداد کو چھوڑ کر دکن فرار ہو گیا۔ اس کے برعکس دوسرا سفیر عبداللہ دمن پہنچ گیا اور یہاں سے پادری کے ہمراہ گوا کے لئے روانہ ہوا۔

مونسیراٹ کی گوا واپسی

انڈیا کے پرتگیز وائسرائے نے پہلے پادری اور پھر سفیر کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ سفیر کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ تو اس نے سفارت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنے امراء' جنرلوں اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کیا اور یہ پیش کش کی کہ وہ سفیر کے تمام اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہے۔ ہماری سوسائٹی کے سربراہ نے بھی اس کی رپورٹ سوسائٹی کے فادرز کو پہنچا دی۔ دوسری اور کارروائیوں کے بعد اسنے پادری کو اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ سفارت کے ساتھ جائے۔ لیکن اس سال پرتگال سے صرف ایک جہاز ہندوستان آیا' اس جہاز کی حالت کو دیکھتے ہوئے

سب نے اس پر اتفاق کیا کہ سفارت کا اس جہاز میں جانا دو بڑے بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ جہاز نہ صرف بہت چھوٹا تھا بلکہ اس میں مسافروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ سفارت کو ایک سال کے لئے روک دیا جائے۔ اس لئے پادری نے اپنے توجہ مذہبی معاملات کی طرف مبذول کر دی۔ دوسرے سال کچھ ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے کہ سفارت کی پوری اسکیم کو ختم کر دیا گیا۔

روڈولف کی واپسی اور شہادت

اسی دوران میں روڈ ولف بادشاہ کی متلون مزاجی سے تنگ آچکا تھا' کیونکہ وہ مذہبی طور پر نئی نئی صورتیں اختیار کر رہا تھا' اور پروٹسٹنٹوں سے بھی زیادہ مذہب کے بارے میں برے رویے کو اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ سوسائٹی کا سربراہ اس کو کئی خط واپس آنے کے لئے لکھ چکا تھا۔ اسے بڑی مشکلوں کے بعد واپسی کی اجازت ملی وہ بھی اس وعدہ پر کہ اگر ہو سکے تو وہ دوبارہ دربار میں آئے۔ 1583 کے سال وہ گوا واپس آگیا۔ دوسرے سال جولائی میں ساسٹ کے ضلع میں اسے چند بدمعاشوں نے قتل کر دیا۔ جب جلال الدین کو یہ خبر ملی تو اسے سخت رنج ہوا اور جیسا کہ بتایا گیا اس نے افسوس کے عالم میں اپنے منہ میں انگلی رکھتے ہوئے کہا: "افسوس فادر میری نصیحت ٹھیک تھی کہ تمہیں نہیں جانا چاہئے تھا' مگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا۔"

اس کے بعد ہی مغل دربار میں پہلے عیسائی مشن کی کارروائی ختم ہوئی اور ساتھ ہی اسپین بھیجی جانیوالی سفارت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس مشن کے بعد میرا یہ خیال ہے کہ جلال الدین نے جن عیسائی مشنوں کو اپنے دربار میں بلایا اس کے پیچھے کوئی روحانی مقاصد نہیں تھے بلکہ ایک تجسس تھا کہ نئی باتیں اور نئی چیزوں کو دریافت کیا جائے۔ اگر اس نے اس مقصد کو خدا کی خوشنودی کے لئے حاصل کرنا چاہا ہوتا تو پھر اس کی راہ میں یہ مشکلات اور رکاوٹیں نہیں آتیں۔ چونکہ اس میں خدا کی مرضی شامل نہیں تھی۔ اس لئے اس کا پورا منصوبہ ختم ہو گیا۔

چونکہ روڈولف خود شریف النفس اور نیک تھا' اس لئے وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتا تھا۔ وہ اپنا وقت مذہب کے مطالعہ اور عبادت میں گزارتا تھا۔ صرف ایک چیز

نے اس کی توجہ ان دو باتوں سے ہٹائی تھی اور وہ تھی فارسی زبان کو سیکھنا۔ اس کے دل و دماغ میں ہر وقت خدا کا خیال سمائے رہتا تھا۔ "میری آنکھیں ہمیشہ اپنے لارڈ پر رہتی ہیں" وہ ہمیشہ چہل قدمی کرتے ہوئے دعاؤں کو آہستہ آہستہ پڑھتا رہتا تھا۔ اسے اپنے آپ کی کوئی پرواہ نہیں تھی' اور اکثر عبادت کی حالت ہی میں سو جایا کرتا تھا۔ وہ کھردرے کپڑے کی قمیص پہنتا تھا اور خود کو کوڑے بھی مارتا تھا۔ اکثر روزے کی حالت میں رہتا تھا۔ وہ خاموشی اور تنہائی کو پسند کرتا تھا اور اپنی کوٹھری سے اس وقت نکلتا تھا کہ جب کوئی مذہبی ضرورت ہو۔ اس نے ایک پارسا کی زندگی گزاری' اور ہمیشہ حضرت عیسیٰ و کنواری مریم سے دعا گو رہا کہ اس کو نیک زندگی گزارنے کی توفیق دیں۔ وہ سوسائٹی کے قواعد و ضوابط کی سختی سے پابندی کرتا تھا' خاص طور سے ان باتوں کا کہ جن کا تعلق فقر سے تھا۔ وہ خوشی سے پرانے کپڑے اور جوتے پہنتا تھا۔

وہ ایک محنتی شخص تھا۔ فارسی زبان کو اس نے چھ مہینے میں سیکھ لیا تھا اور اس میں بڑی وضاحت اور فصاحت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا' جس کو سن کر دوسرے لوگ حیران ہوتے تھے۔ اس کے علم کی وجہ سے وہ ایسے دلائل اور شہادتیں دیتا تھا کہ اکبر کے دربار کے علما خاموش ہو جاتے تھے اور ان کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس کی مخالفت کریں۔ ابوالفضل جو اپنی ذہانت اور قابلیت میں دوسرے علماء سے بڑھا ہوا تھا وہ بھی اس کے علم اور اس کی باتوں سے متاثر تھا اور بحث میں اس کا ساتھ دیتا تھا۔

اس کی بڑی خواہش تھی کہ جلال الدین سچے مذہب کو اختیار کر لے' اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے ہر ممکن کوشش کی۔ جب بادشاہ کو اس کے اس جذبہ کا پتہ چلا تو اس کو روڈولف سے اور زیادہ لگاؤ ہو گیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ عیسائی ہونا چاہتا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ روڈولف کو عیسائیت سے اس قدر محبت تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ بادشاہ بھی اس کو قبول کر لے تاکہ اس کی نجات ہو۔

خدا کی مرضی یہی تھی کہ وہ اسے شہادت کے مرتبہ پر فائز کرے۔ واقعات کیسے اپنا رخ اختیار کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان رہا مگر محفوظ رہا۔ بالآخر اس کو قتل کس نے کیا اس کے ہم مذہب لوگوں نے کہ جو ایک

ہی بادشاہ کی رعیت تھے۔ اس کو خدا نے اس وقت کئی حادثات سے محفوظ رکھا کہ جب وہ دربار میں تھا آ ایک بار سورت میں' اور دوسری بار فتحپور گیں اس کی گاڑی کہ جس میں وہ سوار تھا دونوں مرتبہ الٹ گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ مگر دونوں مرتبہ وہ دور جاگرا اور محض زخمی ہوا۔ دو مرتبہ وہ ہاتھیوں کی لڑائی میں پھنس گیا مگر دونوں مرتبہ وہ محفوظ رہا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ اسے شہادت نصیب ہو۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ " کیا یہ مسلمان ہمیں شہید نہیں کریں گے؟" اس کے جواب میں دوسرے پادری کہتے تھے "چونکہ بادشاہ ہمیں پسند کرتا ہے اس لئے کسی کی ہمت نہیں کہ ہمارا بال بھی بیکا کرے۔" اس پر روڈولف ناک بھوں چڑھاتا اور ایسا ظاہر کرتا کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے۔

خدا نے اس وقت روڈولف کو شہادت نصیب نہیں کی کہ جس وقت وہ اس کی خواہش کر رہا تھا' یہ اسے تب ملی کہ جب اس کی اسے توقع نہیں تھی۔ مگر مجھے بہرحال یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اسے توقع نہیں تھی۔ شاید وہ چاہتا ہو۔ کیونکہ جب یہ موقع آیا تو اس نے قاتلوں کے آگے بغیر کسی تردد کے اپنی گردن بڑھا دی کہ وہ اسے قتل کر سکتے ہیں۔ اس سے میں اندازہ لگاتا ہوں کہ وہ شہادت کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ جب ڈاکوؤں اور لٹیروں نے اس پر تلواروں اور نیزوں سے حملہ کیا ہو گا تو اس وقت اس نے کہا ہو گا: "دیکھو میں جس کی خواہش کرتا تھا وہ مجھے مل رہی ہے۔ جس کی امید کرتا تھا' اب وہ میرے سامنے ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے جا رہا ہوں کہ جس سے میں اس دنیا میں محبت کرتا تھا۔"

یہ قابل تعریف نوجوان پانچ مہلک زخموں کے بعد اس دنیائے فانی سے چلا گیا۔ اس کے سینہ پر جو زخم آیا تھا تھا اس سے اس کی موت کے چار دن بعد تک خون جاری رہا۔ قتل کے وقت وہ 33 سال کا تھا۔ اس نے اپنی نوجوانی کا پورا وقت جے سوسائٹی سویائٹی میں گزارا۔ اس کی موت اسی دن ہوئی کہ جس دن اس سوسائٹی کے بانی اگناشس اور اس کے 49 ساتھیوں کو پالما کے جزیرہ پر قتل کیا گیا تھا۔ روڈولف ڈیوک آف اٹریا کا بیٹا اور سوسائٹی کے جنرل فادر اکاویوا کا بھتیجا تھا۔

اکبر کی خصوصیت

اب ہمیں دوبارہ سے اکبر کی جانب جانا چاہئے۔ کہ جس کے بارے میں ہم ذکر کر رہے تھے' اور ہمارا یہ بیان روڈولف کی وفات کی وجہ سے بیچ میں سے کٹ گیا۔ اس حکمراں کا چہرہ مہرہ اور قد و قامت شاہانہ ہے' اس لئے یک بڑے ہجوم میں بھی اس کو دیکھ کر پہچانا جا سکتا ہے کہ یہ بادشاہ ہے۔ اس کے شانے چوڑے ہیں۔ گھڑسواری کی وجہ سے ٹانگیں خمیدہ ہیں۔ اور رنگت گندمی ہے۔ اس کا سردائیں جانب والے شانہ کی جانب جھکا رہتا ہے۔ اس کا ماتھا چوڑا اور کھلا ہوا ہے۔ اس کی آنکھیں اس قدر چمکیلی اور تیز ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سمندر پر سورج چمک رہا ہوں۔ اس کی پلکیں کافی گھنی اور لمبی ہیں۔ جیسی کہ چینیوں جاپانیوں اور شمالی ایشیا کے لوگوں کی ہوتی ہیں اس کی بھنویں بہت ہلکی ہیں۔ اس کی ناک ستواں اور چھوٹی ہے۔ اس کے نتھنے کھلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کہ کسی کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ اس کے بائیں نتھنے اور اوپر والے ہونٹ کے درمیان ایک تل ہے۔ وہ داڑھی مونڈتا ہے اور ان نوجوان ترکوں کی طرح سے مونچھیں رکھتا ہے کہ جن کے ابھی داڑھی آنا شروع نہیں ہوئی۔ (جب وہ بالغ ہو جاتے ہیں تو داڑھی رکھتے ہیں) اس کی اپنی قوم کی روایت کے مطابق وہ اپنے بال نہیں ترشواتا۔ وہ ہیٹ نہیں اوڑھتا ہے بلکہ پگڑی باندھتا ہے۔ یہ وہ ہندوستانی روایت کے مطابق کرتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقصد ہندوستانیوں کو خوش کرنا ہے۔ وہ بائیں ٹانگ سے تھوڑا سا لنگڑاتا ہے۔ اگرچہ اس ٹانگ میں کبھی کوئی زخم نہیں آیا ہے۔ اس کا جسم سڈول اور خوبصورت ہے۔ نہ تو وہ بہت زیادہ دبلا ہے' اور نہ ہی فربہ۔ وہ قوی' خوش مزاج' اور توانا شخص ہے۔ جب وہ ہنستا ہے تو اس کا پورا چہرہ اپنی شکل بدل لیتا ہے۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ سکون اور اطمینان رہتا ہے۔ وہ جب ناراض بھی ہوتا ہے تو اس میں ایک شاہانہ شان ہوتی ہے۔ جب پادری اس سے پہلی مرتبہ ملا ہے تو اس کی عمر 38 سال کی تھی۔ یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ وہ دن رات میں کتنے لوگوں سے ملتا ہے۔ وہ اس قسم کے مواقع پیدا کرتا ہے کہ عام لوگ اور امراء اس سے مل سکیں۔ وہ ان سے ملتے اور گفتگو کرتے وقت ہمیشہ خوشگوار موڈ میں ہوتا ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی رعونت یا تحکمانہ انداز اختیار نہیں کرتا۔ اس کے اس دوستانہ اور قریبی

تعلقات کی وجہ سے وہ اپنی رعایا میں بے تنہا مقبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے مذہبی خیالات کے باوجود کہ جو اس کی مسلمان رعایا کو پسند نہیں۔ جلال الدین پر کوئی قاتلانہ حملہ نہیں ہوا۔ وہ ایک دور رس اور موقع شناس شخص ہے۔ اس لئے نہ تو وہ بلاوجہ خطرے میں پڑتا ہے اور نہ ہی اپنے حق میں مناسب موقع کو چھوڑتا ہے۔ اور بڑی عمدگی سے اپنے مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ لیکن اس کی یہ تمام جسمانی اور ذہنی خوبیاں اپنی چمک دمک کو اس لئے ماند کر دیتی ہیں۔ کیونکہ وہ سچے عقیدے سے محروم ہے۔

جلال الدین کو شکار کا بہت شوق ہے' مگر وہ شاہین یا باز کے ذریعہ شکار کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتا۔ چونکہ اس کی طبیعت میں تنہائی اور افسردگی کا مادہ ہے۔ اس لئے وہ خود کو مختلف تفریحوں اور کھیلوں میں مصروف رکھتا ہے۔ وہ عوام اور امراء کے لئے وقتاً فوقتاً کھیلوں کا انعقاد کرتا ہے کہ جو اس قسم کی تفریحات میں دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں۔ یہ کھیل مندرجہ ذیل ہیں:

پولو' ہاتھیوں' بھینسوں' ہرنوں اور مرغوں کی لڑائی' مکہ بازی کے مقابلے' جنگ جوؤں کے مقابلے اور کبوتروں کو اڑانا۔

اسے نئے نئے پرندوں اور ہر قسم کی عجیب و غریب چیزوں سے بہت دلچسپی ہے وہ موسیقی' رقص' نٹوں کے کرتب' مسخروں اور بھانڈوں کے لطیفوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسے موقعوں پر نظر تو ایسا آتا ہے کہ وہ تفریح میں مصروف ہے اور انتظام سلطنت سے دور ہے' لیکن اس وقت بھی اس کے دماغ میں سلطنت کے امور رہتے ہیں اور وہ ان سے غافل نہیں ہوتا ہے۔ یہ حیران کن بات ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ارد گرد لوگوں کو جمع رکھتا ہے' اور خود کو لوگوں میں گھرا ہوا دیکھ کر اسے خوشی ہوتی ہے اس لئے اس کے دربار میں امراء اور دوسرے ہر قسم کے لوگ ہمیشہ جمع رہتے ہیں۔ اس کے منصب دار اور امراء جو دوسرے صوبوں میں رہتے ہیں وہ بھی سال میں ایک مرتبہ آکر دربار میں ایک خاص مدت تک قیام کرتے ہیں۔ جب وہ محل سے باہر جاتا ہے تو وہ ہمیشہ اپنے حفاظتی دستہ اور امراء کے درمیان گھرا ہوا رہتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ اس وقت تک پیدل جاتے ہیں کہ جب وہ سر کے اشارے سے انہیں سواری کے لئے نہیں کہے۔ اس وجہ سے اس کے دربار کی شان و شوکت قائم رہتی ہے۔

مسلمان علماء کا لباس لمبی عبا ہوتی ہے جو کہ ان کے گھٹنوں تک آتی ہے۔ ان کے جوتے ٹخنوں سے نیچے ہوتے ہیں۔ ان کا لباس اون اور سوتی کپڑے اور سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ ان کے جوتے بھی خاص فیشن کے ہوتے ہیں۔ جلال الدین ریشمی' رنگ والے کشیدہ کاری کئے ہوتے سونے چاندی کے تاروں سے مزین خوبصورت ملبوسات زیب تن کرتا ہے۔ اس کا فوجی چغہ اس کے گھٹنوں تک آتا ہے۔ اس کے جوتے اس کے ٹخنوں کو چھپا لیتے ہیں۔ ان جوتوں کے بنانے کے بارے میں وہ خود ہدایات دیتا ہے۔ اور انہیں مختلف شکلوں اور فیشن کے مطابق تیار کراتا ہے۔ وہ سونے کے زیورات اور موتی پہنتا ہے۔ یورپی تلوار اور خنجر رکھنے کا بھی شوقین ہے۔ وہ ہمیشہ مسلح رہتا ہے۔ ہر وقت یہاں تک کہ نجی محفلوں میں بھی اپنے حفاظتی دستہ کے ساتھ جس کی تعداد بیس ہو گی' گھرا ہوا رہتا ہے۔ اسے ہسپانوی لباس پسند ہے اور اکثر نجی محفلوں میں اسے پہنتا ہے۔ وہ ہاتھی پر سواری کرتا ہے اور اسے قابو میں بھی رکھتا ہے۔ اونٹ و گھوڑے کی سواری بھی اس کے پسندیدہ مشغلوں میں سے ہے۔ کبھی کبھی وہ دو گھوڑوں والا رتھ چلاتا ہے۔ اس میں اس کی شخصیت ابھرتی ہے اور وہ بڑا پر جلال اور شاہانہ لگتا ہے۔ وہ تخت پر کہ جس پر قالین بچھا ہوتا ہے دوزانوں بیٹھتا ہے۔ اس کے پاس پرتگیزیوں کی طرح کا ایک مخملی تخت بھی ہے کہ جو اس کے ساتھ سفر پر جاتا ہے اور وہ اس پر کبھی کبھی بیٹھتا بھی ہے۔

اس کا دستر خوان بڑا پر تکلف ہوتا ہے۔ کھانے کی تقریباً چالیس کے قریب قسمیں ہوتی ہیں۔ جب انہیں کھانے کے شاہی کمرے میں لایا جاتا ہے تو یہ صاف ستھرے سوتی کپڑے سے ڈھکی ہوتی ہیں اور کپڑے کو ارد گرد لپیٹ پر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ کوئی ان میں زہر نہ ملا سکے۔ کھانے کی ان بڑی اقابوں کو نوجوان سروں پر اٹھائے کھانے کے کمرے تک لاتے ہیں۔ ان کے آگے دوسرے ملازم ہوتے ہیں اور شاہی مطبخ کا نگراں ساتھ میں ہوتا ہے۔ دروازے پر کھانا خواجہ سرا لے لیتے ہیں' اور دستر خوان تک پہنچانے کا کام کرتی ہیں۔ وہ تنہا کھانا کھانے کا عادی ہے۔ سوائے ایسے موقعوں کے جب دعوتیں ہوں۔ وہ بہت کم شراب پیتا ہے اور اپنی پیاس پانی یا پوست سے بجھاتا ہے۔ جب بھی وہ زیادہ مقدار میں پوست پی لیتا تھا تو وہ مدہوش ہو کر ایک

طرف ڈھلک جاتا ہے۔ وہ کوچ پر نیم دراز ہو کر کھاتا ہے۔ کوچ یا تخت پر قالین بچھے ہوتے ہیں اور نرم تکیے ہوتے ہیں کہ جن میں پرندوں کے پر یا درختوں کے پتے بھرے ہوتے ہیں۔

شاہی محلات

اس کے محلات کی شان و شوکت ایسی ہی ہے جیسے کہ یورپی حکمرانوں کی شاہی رہائش گاہوں کی۔ یہ شاندار اور عالیشان ہوتے ہیں۔ بنیاد سے لے کر چھت کی منڈیروں تک یہ ترشے ہوئے پتھروں سے تعمیر کئے جاتے ہیں۔ ان کو تصاویر اور نقش و نگار سے مزین کیا جاتا ہے۔ دوسرے ہندوستانی راجاؤں اور حکمرانوں کے مقابلہ میں اس کے محلات بلند و بالا ہوتے ہیں۔ ایک ہی علاقہ میں کئی محلات ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے شاندار شاہ کا ہوتا ہے جو کہ سب سے بڑا اور اونچا ہوتا ہے۔ دوسرا محل بیگمات کا ہوتا ہے' تیسرا شہزادوں کا جبکہ چوتھا بطور ذخیرہ اور اسلحہ خانہ کے استعمال ہوتا ہے۔ ان محلات کی چھتوں پر ٹائل نہیں ہوتے۔ ان کی چھتیں گنبد نما ہوتی ہیں۔ باہر سے پتھروں کی سلوں اور پلاسٹر کے ذریعہ یہ موسم کی گرمی و سردی کی شدت کو روکتے ہیں۔ اس قسم کی چھتیں نمی سے محفوظ رہتی ہیں۔ ان محلات کو کنگروں سے خوبصورت بنایا جاتا ہے۔ ہر کنگرہ چار ستونوں پر ہوتا ہے اور علیحدہ علیحدہ چھجہ ہوتا ہے۔ محلات کی خوبصورتی کبوتروں کی چھتریوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ دیواریں نیلی و سفید اینٹوں اور ٹائلوں کی وجہ سے دیدہ زیب ہو جاتی ہیں۔ کبوتروں کی دیکھ بھال خواجہ سرا اور کنیزیں کرتی ہیں۔ ان کبوتروں کی اس طرح تربیت کی جاتی ہے کہ یہ خاص خاص اشاروں اور آوازوں پر اڑتے ہیں اور اپنی حرکات و سکنات تبدیل کر لیتے ہیں۔ ان کے نظم و ضبط کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی جنرل اپنے سپاہیوں کو قواعد کرا رہا ہو۔ میرے لئے تو یہ ایک معجزے کی طرح ہی تھا کہ جس طرح وہ اڑتے ہوئے فضا میں قلابازیاں کھاتے ہیں' رقص کرتے ہیں اور بڑی ترتیب سے قطاروں میں اڑتے ہیں اور پھر وہیں واپس آجاتے ہیں کہ جہاں سے انہیں اڑایا گیا تھا اور یہ سب کرتب وہ سیٹی کی آواز پر کرتے ہیں۔ ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ چھت پر بیٹھ جائیں۔ اپنے اپنے

گھونسلوں میں چلے جائیں یا ان سے باہر نکل آئیں۔ جیسا کہ ان سے کہا جاتا ہے وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور بڑی عمارت ہے اتنی ہی بڑی جتنا کہ محل۔ یہ شیخ سلیم چشتی کا مزار ہے کہ جس نے بادشاہ کو فتح پور سیکری آنے کو کہا تھا۔ اس کو لوگ بطور ولی مانتے ہیں۔

جلال الدین نے جو دوسری عمارتیں اپنی سلطنت میں تعمیر کرائی ہیں وہ بھی شاندار اور خوبصورت ہیں۔ یہ عمارتیں انجینئروں' معماروں اور مزدوروں نے شاہی احکامات کی تعمیل میں بہت کم عرصے میں تعمیر کی ہیں۔ مثلاً اس نے ستونوں سے گھری ایک جگہ جو کہ دو سو فٹ اسکوئر میں اسے تین مہینے میں تعمیر کرایا اور حمام معہ ڈریسنگ اور نجی استعمال کے کمرے اور فوارے و پانی کی نالیاں۔ یہ سب چھ مہینوں میں مکمل ہو گئیں۔ یہاں پر یہ خود غسل کرتا ہے۔ اس خیال سے کہ پتھروں کی تراش و خراش سے شور نہ ہو۔ اس نے یہ انتظام کیا ہے کہ تعمیر کا یہ سامان کسی اور جگہ تیار ہوتا ہے اور آخر میں وہاں لایا جاتا ہے کہ جہاں عمارت بن رہی ہوتی ہے۔ پادریوں نے ان تمام باتوں کی طرف خاص توجہ دی۔ جلال الدین کو عمارتوں کی تعمیر کا اتنا شوق ہے کہ کبھی کبھی وہ خود دست کاروں کے ساتھ بیٹھ کر پتھروں کو توڑتا ہے۔ وہ عام ہنر مندوں کے کاموں کو نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ تفریح کے طور پر ان کے ساتھ مل کر کام بھی کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے محلات میں کارخانے قائم کر رکھے ہیں کہ جہاں دست کاروں و ہنر مندوں کے کام کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے ہیں ان میں مشہور یہ ہیں۔ مصوری' قالین' پردے اور اسلحہ بنانے کے کارخانے۔ اس کے علاوہ زیورات اور مشجر قالین بافی کے لئے بھی کاریگر کام کرتے ہیں۔ وہ اکثر ان کارخانوں میں آتا ہے اور کاریگروں کو کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔

اکبر علم و ادب کا سرپرست

اکبر علم و ادب کی سرپرستی کرتا ہے۔ اس کے ردگرد ہمیشہ پڑھے لکھے لوگوں اور علماء کا جمگھٹا رہتا ہے۔ اس کو اس بات کا بہت شوق ہے کہ اس کے سامنے فلسفہ' مذہب اور

الہیات پر بحث و مباحثہ ہوں اور تاریخ سے عظیم بادشاہ کے تذکرے سنائے جائیں۔ وہ چیزوں کے بارے میں بڑی صحیح رائے دیتا ہے۔ اس کی یادداشت بھی غیر معمولی طور پر بہت اچھی ہے۔ بحث و مباحثوں علمی گفتگو کے نتیجہ میں اس کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس نے اپنے ان پڑھ ہونے پر قابو پا لیا ہے (وہ لکھنا اور پڑھنا بالکل نہیں جانتا) بلکہ بڑے اہم اور مشکل موضوعات پر بڑی عمدگی سے اظہار خیال کرتا ہے۔ وہ ہر مسئلہ اور ہر موضوع پر اس طرح سے اپنی رائے دیتا ہے کہ جو اس سے واقف نہیں ہے اس کو خیال تک بھی نہیں آتا کہ وہ ان پڑھ ہے۔ بلکہ وہ سوچتا ہے کہ یہ خیالات ایک عالم اور پڑھے لکھے کے ہو سکتے ہیں اور درحقیقت وہ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ ایسی تیز و طرار ذہن کے ساتھ جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں وہ علمی معالات میں بھی بہت زیادہ غور و فکر کرنے والا ہے اور اپنی بات کو شاہانہ انداز کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ دانشور لوگ روزانہ اس کے سامنے علمی موضوعات پر بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ وہ ان کی باتوں کو غور سے سنتا ہے اور پھر انہی کے اسلوب میں اپنے مطالب کو بیان کرتا ہے۔

وہ اپنے دربار میں مسخروں اور بھانڈوں کے لطیفے اور ان کی حرکتوں سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس کے یہاں ایکٹرز نہیں ہیں کیونکہ اسلام میں اس کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

مسلمان بادشاہوں میں شادیاں کرنے کا بڑا رواج ہے اور اس کو یہ حکمرانوں سے تعلقات بہتر بنانے کے لئے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے شادیاں کرتے ہیں۔ اس وجہ سے جلال الدین نے بھی بہت سی شادیاں کیں۔ ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ یہ ایک محل میں علیحدہ علیحدہ کمروں میں رہتی ہیں۔ جب پادری اس کے دربار میں تھے تو اس وقت اس کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اس کا بڑا لڑکا شیخو کہلاتا ہے۔ یہ شیخ سلیم چشتی کے نام پر ہے کہ جس کے کہنے پر اس نے فتح پور سیکری تعمیر کرایا تھا۔ یہ اس کا پہلا لڑکا ہے کہ جو بچپن کی موت سے بچا تھا۔ دوسرا لڑکا پہاڑی ہے اور تیسرا دانیال ہے۔

مصاحب

جلال الدین کے دربار میں تقریباً بیس ہندو سردار یا امراء ہیں جو کہ بطور وزیر اور مصاحب کے اس کے ساتھ ہیں۔ ان کا کام حکومت کرنے میں اس کی مدد کرنا اور شاہی حرم کا بندوبست کرنا ہے۔ وہ اس کے وفادار اور عقیدت مند ہیں۔ اپنی دانشمندی اور اعتماد کے سبب وہ انتظام سلطنت کو بخوبی سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ بادشاہ کو ان پر اتنا اعتماد ہے کہ یہ محل کے اندرونی حصہ میں بھی جا سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی رعایت ہے کہ مغل سرداروں کو بھی نہیں ملی۔ صوبوں کی گورنری وہ ان راجپوت امراء کے حوالے کرتا ہے کہ جو اس کے رشتہ دار ہیں۔ ان میں سے کچھ امراء اس کے لڑکوں کے اتالیق مقرر کئے گئے ہیں۔ بادشاہ کا مقصدان کو مراعات کے دینے اور ان پر اعتماد کرنے سے بادشاہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ امراء اس کے وفادار رہیں اور اس کے لڑکوں کی دشمنوں سے حفاظت کریں۔ ان کی ادبی تعلیم۔ قدیم ایرانی رۣوایت کے مطابق ایک تجربہ کار بوڑھے شخص کے سپرد کی گئی ہے کہ جس میں سطحی قسم کی اخلاقی خوبیاں ہیں۔ (درحقیقت وہ کردار کے لحاظ سے بداعمال ہے جیسا کہ ہر مسلمان ہوتا ہے) جو دکھاوے کے طور پر مذہبی و پارسا بنا ہوا ہے۔ شہزادوں کو ہتھیار چلانے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ گھڑسواری اور تیرا ندازی کے علیحدہ علیحدہ اساتذہ ہیں۔ وہ شہزادوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتا ہے اور ان کو دوسرے لوگوں کی صحبت سے دور رکھا جاتا ہے۔ انہیں لکھنے پڑھنے اور دوسرے امور میں تربیت دینے کا کام ماہر اساتذہ کی ذمہ داری ہے۔

جب بادشاہ کوئی مشورہ کرنا چاہتا ہے تو ہر مصاحب سے علیحدہ علیحدہ وہ اس کے بارے میں رائے پوچھتا ہے۔ اس کے بعد ان کے مشوروں کی روشنی میں وہ اپنی رائے قائم کرتا ہے لیکن اس کے بعد بھی وہ آخری بار ان سے مشورہ کرتا ہے اور امراء سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ "میرا خیال ہے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ کیا تم سب لوگ اس سے متفق ہو؟"

اس پر وہ جواب دیتے ہیں کہ "سلامتی ہو! اے بادشاہ"

اگر ان میں سے ایک بھی اس رائے سے متفق نہیں ہوتا تو وہ اس کی بات کو

خاموشی اور سکون سے سنتا ہے اور کبھی کبھی اس کی دلیل کے بعد اپنی رائے کو بدل بھی لیتا ہے۔ اس کے مصاحب ان کاموں کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں:

ایک کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ بادشاہ سے ملنا چاہتے ہیں ان کی ملاقات کا بندوبست کرے۔ ان کی درخواستیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے' بادشاہ ان درخواستوں پر جو احکامات دے ان کو لکھے۔ ان مصاحبین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ وہ دربار میں اس کی رسومات پر نظر رکھیں کہ ہر شخص اس بات کو باقاعدگی سے ادا کرے۔ ان لوگوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کرے کہ جو اسے نذر دینے کے لئے آئے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ سے انہیں واپس ان کی نشستوں پر لے جائے۔

سفارتیں

جلال الدین سفیروں اور اجنبیوں کے ساتھ بمقابلہ اپنے امراء اور عہدے داروں کے بالکل مختلف سلوک کرتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتا ہے اور ان سے مشفقانہ طور پر ملتا ہے۔ خاص طور سے غیر ملکی حکمرانوں کے سفیروں سے اور ان راجاؤں اور حکمرانوں کے سفیروں سے کہ جن کے ملکوں پر اس نے قبضہ کر لیا ہے اور جو بھاگ کر کہیں اور مقیم ہیں اور اب اس سے پناہ کی درخواست کرتے ہیں۔ جن حکمرانوں کو وہ ان کا ملک واپس دے دیتا انہیں وہ فوج اور مالی امداد دیتا ہے۔ اس کیساتھ اس کی ایک شرط ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ناپ تول کے پیمانے و وزن اور اس کا سکہ وہاں رائج کرے گا۔ ایک مرتبہ ترکی صوبہ کا سفیر جس کا دارالحکومت صنعا ہے اس کے دربار میں آیا اس سفیر کا بری طرح سے استقبال کیا گیا۔ یہ سفارتی مشن آخر میں ذلیل و خوار ہو کر چلا گیا۔ اس سفیر کو ہتھکڑیاں پہنا کر لاہور میں جلا وطن کر دیا جبکہ اس کے ساتھی موقع ملتے ہی خفیہ طور پر فرار ہو گئے۔ اس ناراضگی کی ایک وجہ تو سفیروں اور ترکی کے بادشاہ کی رعونت تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ اکبر باشاہ ان کے ساتھ مل کر اسپین اور پرتگال کے حکمرانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے۔

جب بادشاہ کی پھوپھی حج سے واپس آئی تو اس کے آنے کی خوشی میں اس نے شاہراہوں اور راستوں کو سجایا اور خود اس کا استقبال کر کے اس کے ساتھ محل تک

گیا۔ اس کی پھوپھی اس موقعہ پر سونے سے مرصع پالکی میں سوار تھی۔ راستہ میں لوگوں میں روپیہ پیسہ بانٹا گیا۔

مختصراً یہ کہ جلال الدین اپنے امراء کے ساتھ اس قدر سختی سے پیش آتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک خود کو انتہائی گراہوا اور ذلیل محسوس کرتا تھا۔ مثلاً اگر ان امراء میں کوئی جرم کرتا تھا تو اس کو عام لوگوں سے زیادہ سخت سزا دی جاتی تھی اور ان کے عہدے و مرتبہ کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔

عہدے دار

میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں کہ جلال الدین کے سات مشیر ہیں۔ ان میں ہر ایک ہفتہ کے ایک دن کے لئے ہے۔ اس طرح سے اس نے چار یا پانچ سیکرٹریوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ ان کا تعلق منشیوں کی جماعت سے ہے اور ہر ایک ایک مخصوص دن اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ یہ سیکرٹریز یا واقعہ نویس ہر وہ بات لکھتے ہیں کہ جو بادشاہ کی زبان سے نکلتی ہے۔ یعنی احکامات' فرامین' فیصلے اور امور سلطنت کے معاملات پر اس کی گفتگو۔ وہ اس قدر تیزی سے لکھتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کو ان کے ادا ہونے اور ہوا میں تحلیل ہونے سے پہلے ہی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ یہ رواج مغلوں نے ایرانیوں سے لیا ہے جو قدیم مصنفین کے مطابق واقعہ نویسوں کو اس مقصد کے لئے دربار میں رکھتے تھے۔ یہ واقعہ نویس اپنے روزناموں میں جو بھی واقعہ سلطنت میں ہوتا تھا احتیاط کے ساتھ درج کرلیتے ہیں۔

میں نے اوپر جن عہدیداروں کا ذکر کیا ہے ان میں حفاظتی دستہ کا ذکر شامل ہے۔ یہ چوبیس گھنٹہ ڈیوٹی پر رہتا ہے اور اسے بادشاہ کی جانب سے غلہ کا راشن ملتا ہے حفاظتی دستوں کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے اور ہر روز ایک دستہ اپنی باری پر فرائض پورے کرتا ہے۔ یہی چوکیداروں' ملازموں اور خدمت گاروں کے لئے ہے۔ کوتوال' مشیر خاص' اکاؤنٹنٹ' صدر الصدور' خانساماں جو کہ بادشاہ کے محل کا انچارج ہے۔ شاہی کیمپ کا نگران' خزانہ کا مہتمم' دربانوں کا انچارج۔ جیل کا افسر جلاد اور شاہی مطبخ کا مہتمم وغیرہ وغیرہ اور دوسرے مستقل عہدیدار یہ سب کے سب محل میں حاضر رہتے

ہیں۔

نچلی ذات کے لوگ اور وہ کہ جن کا تعلق اشراف سے نہیں بلکہ سماجی طور پر گمنام ہیں۔ ان کو اسی وقت عہدے ملتے ہیں اور محل میں ان کا تقرر ہوا کرتا ہے۔ کہ جب یہ باصلاحیت اور اہلیت کے مالک ہوں۔ اس صورت میں انہیں درجہ بدرجہ ترقی ملتی رہتی ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ اپنے کمینہ پن اور ذلیل حرکتوں سے باز نہیں آتے اور سازشوں میں ملوث پائے جاتے ہیں تو اس صورت میں بادشاہ انہیں ان کی اصلی حالت پر واپس لے آتا ہے تاکہ وہ اپنے اس اصل مقام سے واقف رہیں کہ جہاں سے انہوں نے ترقی کی تھی۔

ان عہدے داروں کے لئے کہ جن کا کام محل میں مستقل رہتا ہے ان کے لئے بادشاہ نے محل میں علیحدہ کمرے بنوا رکھے ہیں۔ جہاں وہ آرام و سکون سے اپنے فرائض میں مشغول رہیں۔ اس کو رہائش خانہ کہا جاتا ہے یعنی تنہائی کی جگہ یا وہ جگہ جہاں پیاس بجھائی جاتی ہے۔

جلال الدین نے امراء کے ان لڑکوں کے لئے جن کے باپ نہیں ہیں عمدہ تعلیم کا بندوبست کر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ دوسرے حکمرانوں کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیے۔

ریونیو کے ذرائع

بادشاہ اپنے صوبوں میں ریونیو کی شکل میں ایک بڑی رقم وصول کرتا ہے۔ اس کی سلطنت کے یہ صوبے زراعت و مویشیوں کی وجہ سے خوش حال اور زرخیز ہیں۔ ان کی آمدن کا ایک اور ذریعہ تجارتی اشیاء کی درآمد و برآمد ہے۔

بادشاہ کی ایک آمدنی کا ذریعہ اس کے امراء کی جمع شدہ دولت ہے کیونکہ قانون اور روایت کے تحت کسی بھی امیر کے مرنے کے بعد یہ دولت و جائداد بادشاہ کو مل جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مفتوح حکمرانوں اور راجاؤں کے خزانے میں کہ جن پر قبضہ کرلیا جاتا ہے۔ جب بھی نئے علاقے فتح ہوتے ہیں اور انہیں سلطنت میں شامل کیا جاتا ہے تو ان پر نئے نئے ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور ان سے تحفہ تحائف وصول کئے جاتے

ہیں۔ یہ نئے ٹیکس اور تحفہ تحائف اس قدر زیادہ ہوتے ہیں کہ یہ نئے علاقوں کی رعایا کو مالی طور پر تباہ کر دیتے ہیں۔ بادشاہ خود بھی تجارت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے منافع حاصل کرنے کے ہر طریقہ کو استعمال کرکے وہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اپنی سلطنت میں کسی بنکر یا روپیہ تبدیل کرنے والے کو کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ یہ کام شاہی خزانہ کا نگران اور اس کے عہدے دار کرتے ہیں۔ لہٰذا شاہی نگران کے ذریعہ جو تجارت ہوتی ہے اس سے بادشاہ کو بہت منافع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ شاہی خزانے یا ٹکسال ہی سونے کے سکہ کو چاندی کے سکوں میں تبدیل کرتے ہیں۔ حکومت کے عہدے داروں کو سونے' چاندی یا تانبے کے سکوں میں ان کے عہدے کے مطابق تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس لئے یہ ہر ایک کی ضرورت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے سونے' چاندی یا تانبے کے سکوں کو تبدیل کرائے۔ اس عمل میں اسے خزانہ کو منافع دینا پڑتا ہے۔

اس قسم کی آمدنی کے ذرائع کو اگرچہ اچھا نہیں کہا جاسکتا لیکن اس کے دو فائدے ہیں : ایک تو اس کی وجہ سے سکوں میں نہ تو ملاوٹ ہوتی ہے اور نہ ان کی قیمت گرتی ہے۔ دوسرے تبدیل کرنے کا نرخ ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے اور صرف سازشیں کرکے یا دھوکہ دے کر اس کو گھٹایا یا بڑھایا نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ تمام روپیہ پیشہ گردش کے بعد سرکاری خزانہ میں آتا ہے اس لئے پیسہ کی بازار میں کمی نہیں ہوتی

ایک قانون اور بھی ہے کہ کوئی گھوڑا بادشاہ اور اس کے وکیلوں کی مرضی کے بغیر فروخت نہیں ہوسکتا ہے۔ اگرچہ اس نے گھوڑوں کی فروخت کے لئے کھلی نیلامی کی اجازت دے رکھی ہے لیکن تمام اچھے گھوڑے وہ خود خرید لیتا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ نہ تو اس سے دوسرے نیلامی دینے والوں کی حق تلفی ہو اور نہ ہی وہ شخص ناراض ہو کہ جس نے اس سے زیادہ بولی لگائی ہو۔ اس خیال سے کہ اس سے لوگوں میں شک و شبہات نہ ہوں۔ قیمت کو سب کے سامنے گن کر دیا جاتا ہے بلکہ تاجر کو قیمت سے کچھ زیادہ ہی اشرفیاں دے دی جاتی ہیں۔

جلال الدین روپیہ پیسہ خرچ کرنے کے معاملہ میں کم خرچ ہے اور اپنی دولت کو

حفاظت سے رکھنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے ہ وہ اس وقت مشرق کا سب سے زیادہ مالدار بادشاہ ہے۔ یہ بات اس کے امراء اور منصب دار ہر وقت اس سے کہتے رہتے ہیں تاکہ اس خوشامد کے ذریعہ وہ اس کی خوشنودی حاصل کرسکیں۔ اپنی دولت کو دکھانے کی غرض سے سال میں چار مرتبہ وہ ضرب شدہ سکوں کے تھیلوں کا لوگوں کے سامنے ڈھیر لگاتا ہے۔ (میرا خیال ہے کہ یہ ڈھیر محل کے صحن میں ہوتا ہے) یہ ڈھیر دس فٹ چوڑا اور تین فٹ اونچا ہوتا ہے۔ اس کے قریب خزانہ کا انچارج اور سکوں کی گنتی کرنے والا بیٹھتا ہے۔ وہ گنتی کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس موقع پر ان لوگوں کو رقم دی جاتی ہے کہ جن کی ادائیگی باقی رہتی ہے۔ اس ادائیگی پر معمولی منافع اسی شرح پر کاٹ لیا جاتا ہے کہ جو ایک صراف کا ہوتا ہے۔ ایک تھیلے میں چار ہزار تانبہ کے سکے ہوتے ہیں۔

محل کے ایک ہال میں انتظام سلطنت اور شاہی محل کے انتظامات کی دیکھ بھال کرنے والے بیٹھتے ہیں۔ ان میں منشی، خزانچی، کاتب اور دوسرے چھوٹے اور بڑے عہدے دار ہوتے ہیں۔ ان سب کا سربراہ ایک ایسا شخص ہوتا ہے کہ جو ذہین، باصلاحیت ہو۔ یہ شخص شاہی فرمانوں پر دستخط کرتا ہے۔ شاہی مہر اور سلطنت کی بڑی مہر محل میں کسی ایک بیگم کی تحویل میں ہوتی ہے جو فرامین اور دستاویزات کی تیاری کے آٹھ دن بعد اس پر مہر لگاتی ہے۔ ان آٹھ دنوں کے عرصہ میں فرامین اور دستاویزات کو بادشاہ کے مصاحب اور خود بادشاہ احتیاط سے پڑھتے اور ان کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ان میں کوئی غلطی نہ رہ جائے یا کسی قسم کا اضافہ نہ کر دیا جائے۔ خاص طور پر اس وقت کہ جب کسی کو شاہی فرمان کے ذریعہ کوئی رعایت دی جائے یا تحفے دیئے جائیں تو اس صورت میں ان دستاویزات کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال ہوتی ہے۔